جلد 2 شمارہ 4 جون 2000ء ربیع الاول 1421ھ

(الرعد)
قُل اِنَّمَا اُمِرتُ اَن اَعبُدَ اللّٰہَ وَلَا اُشرِکَ بِہٖ اِلَیہِ اَدعُوا وَاِلَیہِ مَاٰبِ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالےٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

CamScanner

ماہنامہ
گوجرانوالہ
آدمیت
فلاح
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

جلد 2 شمارہ 4 جون 2000ء ربیع الاول 1421ھ

نگران وسرپرست
قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی
شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی، ایم محمد اکرم، پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب
ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق، سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری
مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ———— 15/- روپے
سالانہ فنڈ ———— 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
عبدالقیوم ہاشمی
تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

حیات انسانی میں ایسے موڑ ضرور آتے ہیں جو ہر انسان کو فطرت کے مطابق زندگی گذارنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسے ہی اکثر لوگ پھر حقیقت معلوم کرنے کے لئے مختلف کوششیں کرتے ہیں اور اپنی اصلیت کی خاطر انہیں ایک دین فطرت سے سابقہ پیش آتا ہے جسے "اسلام" کہتے ہیں۔ فطرت سلیمہ پہ قائم یہ لوگ خود ہی تحقیق و جستجو اور قرآن کریم کے مطالعہ اور دیگر اسلامی لٹریچر کی مدد سے قبول اسلام کا اعلان کرتے ہیں بلکہ خود کو مکمل اسلامی سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ اس مبارک کام میں مسلمانوں کی ذاتی کاوشیں برائے نام ہی ہوتی ہیں کیونکہ مسلمان خود اخلاقی گراوٹ کا شکار ہیں اس لئے نو مسلم ان کے کردار سے کافی حد تک بد ظن بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ صرف اسلامی تعلیمات انکی روحانی تسکین کا سبب بنتی ہیں اس لئے قطع نظر مسلمانوں کے کردار اور رویے کے وہ اسلام کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ ایک مغربی مفکر کہتا ہے کہ اسلام اور مغرب کے درمیان صرف مسلمان حائل ہیں۔ یہ بات اس نے درست کہی ہے کیونکہ مسلمانوں نے نہ صرف امت وسطیٰ کا کردار فراموش کردیا ہے بلکہ ذاتی کردار اور اخلاق کی بھی دھجیاں اڑا دیں ہیں۔ دین اسلام مشتمل ہے تین حصوں پر 1۔ عقائد 2۔ عبادات 3۔ معاملات و کردار۔ مسلمانوں کے معاملات اور اخلاق و کردار کی درستگی اسی وقت ممکن ہے جب ہمیں اپنے عقائد پہ پختہ یقین ہو۔ عقائد پہ پختگی اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہماری عبادات پر اثر ہونگی۔ لہٰذا مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب نماز اور زکواۃ جیسے بنیادی ارکان سے غفلت اور عدم دلچسپی ہے۔ نمازوں میں حضوری کی کیفیت پیدا کرنا ہی ہر مسلمان کی روحانی اور اخلاقی ترقی کا ثبوت ہے۔

قد افلاح المومنون O الذین ھم فی صلاتھم خشعون O (المومنون 1-2)

ترجمہ! فلاح یاب ہو گئے وہ مومن لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں

لہٰذا اللہ کی قربت بھی نماز کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے

واسجد واقترب (العلق۔ 19)

"اور سجدہ کرو' اور قریب ہو جاؤ"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بندہ اس وقت اپنے رب سے انتہائی قریب ہوتا ہے جب وہ اس کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے" لہٰذا اللہ کے ہاں وہی نمازیں اہمیت رکھتی ہیں جو اخلاص اور حضوری کے ساتھ ادا کی جائیں ورنہ محض دکھلاوے کی نمازیں تو الٹا موجب عذاب ہونگیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے دکھاوے کی نماز پڑھی' اس نے شرک کیا"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی درستگی صرف اخلاص والی نمازوں ہی سے ممکن ہے۔

جہاں تک زکواۃ کا معاملہ ہے جو لوگ نماز ادا کریں مگر زکواۃ ادا نہ کریں ان کے متعلق صرف یہی بات کافی ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو نماز کی ظاہری اور باطنی درستگی کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ ہمارے اخلاق اچھے ہو جائیں اور کم از کم دیگر نو مسلموں کے لئے باعث ندامت نہ بنیں۔ آمین یا رب العالمین۔

(والسلام۔ عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

وَلَا تَجَسَّسُوا ۔ (الحجرات۔ آیت 12)

ترجمہ: "تم ایک دوسرے کے معاملات اور حالات کی ٹوہ میں نہ رہو"

تفسیر و تشریح

معاشرتی خرابیوں اور برائیوں کا جن کی وجہ سے ہمارے برادرانہ تعلقات' شہری اور دیہی روابط' معاشرتی و سماجی تعلقات' باہمی سلوک' میل جول' ہمدردی و خیر خواہی کے سلسلے' محلہ داری کے حقوق' ہمسائیگی کے فرائض' غرض انسانی زندگی کے ہر دائرے میں ہماری ایک دوسرے سے کسی بھی نوعیت اور حیثیت کی وابستگیاں قائم ہیں وہ ان خرابیوں اور بری عادات کی وجہ سے قائم نہیں رہ سکتیں۔ باہمی تعلقات و روابط کی کڑیاں تب ہی مضبوط رہ سکتی ہیں اور معاشرتی روابط تب ہی خوشگوار اور استوار رہ سکتے ہیں جب ہم ان برائیوں سے خود کو بچا کر رکھیں اور ان کی بجائے باہمی ہمدردی' حسن سلوک' حسن معاملہ اور جذبہ خیر خواہی کے تحت اس میں استحکام پیدا کریں تاکہ ہماری معاشرتی و سماجی زندگی امن و سکون سے گزر سکے۔ اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز ہی یہ ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور بھائی آپس میں کسی بھی ایسی بات اور حرکت کو برداشت نہیں کر سکتے جو ان کی دشمنی کا موجب ہو۔

معاشرتی برائیوں میں سے ایک بری بات یا کسی کی بری عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے حالات کی ٹوہ لگاتا رہتا ہے۔ خواہ مخواہ دوسروں کے حالات جاننا' کریدنا' ان کے عیوب کا کھوج لگانا' ان کے خانگی رازوں سے واقفیت حاصل کرنا اور پھر انہیں طشت از بام کرنا' محفلوں میں بیان کرنا اور اسطرح کی خانگی اور ذاتی زندگی کے حالات کو موضوع محفل بنا کر اس کی بے عزتی کا موجب بنتا ہے۔ سورہ الحجرات میں بیان کردہ اس ایک لفظ میں ہمیں اس قبیح عادت سے منع کیا گیا ہے۔ تم لوگوں کے حالات کو نہ کریدو' ان کے معاملات کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ ان کے عیب ڈھونڈو۔ یہ حرکت خواہ بدگمانی کی بناء پر کی جائے یا بدنیتی سے کسی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ہو یا اس شوق

تجسس کی تسکین (Curiosty) کے لئے کی جائے۔ تمام صورتوں میں قرآنی حکم کے مطابق شرعاً ناجائز ہے۔

ایک مومن کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کے جو حالات بستہ راز میں ہوں یا پردہ اخفاء میں ہوں انہیں بے نقاب کرتا پھرے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر' کرید کرید کر وہ راز معلوم کرنے میں لگا رہے اور پردوں کے پیچھے جھانک کر لوگوں کے گھریلو حالات اور خاندانی معاملات کی تلاش میں مصروف عمل ہو کہ کس میں کونسا عیب ہے اور کہاں کیا اختلافات اور جھگڑے ہیں' کہاں ان کی کمزوریاں ہیں۔ اس مقصد کے لئے لوگوں کے خطوط لے کر پڑھنا۔ ٹیلی فون سننا کسی کی باتوں پر کان دھر کر سننے کی سعی کرنا۔ گھروں میں جھانکنا' چھوٹے بچوں کے ذریعہ کسی کی گھریلو حالات اور باتیں معلوم کرنا' عورتوں کے ذریعہ ایسا کام لینا۔ یہ سب کچھ انداز تجسس اور ٹوہ کے طور پر کرنا انتہائی کمینگی' بد اخلاقی اور بری حرکتیں ہیں جس سے خانگی تنازعات اور جھگڑوں کی آگ بھڑکتی ہے' دلوں میں کدورتیں اور نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مخالفتوں کے فاصلے پھیلتے اور دشمنیوں کے زہر سرایت کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ اے ایمان والو" ایمان تمہارے دلوں میں نہیں اترا مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کا کھوج نہ لگاؤ' جو شخص مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہو گا' اللہ اس کے عیوب آشکارا کرے گا اور خدا جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کرے گا۔ حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو ان کو بگاڑ دو گے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔ یعنی معاشرتی بگاڑ یا تعلقات کا بگاڑ۔ ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ اذا ظننتم فلا تحققوا جب کسی شخص کے متعلق بدگمانی ہو جائے تو برائی کی تحقیق میں نہ لگے رہو۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جس نے کسی کا چھپا ہوا عیب دیکھ لیا اور اس پر پردہ ڈالا تو اس کا اتنا ثواب ہے جیسے اس نے زندہ گاڑی ہوئی بچی کو موت سے بچا لیا۔

درس حدیث

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یبلغنی احد من اصحابی عن احد شیا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر

ترجمہ! حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ مجھ سے کسی کی بابت کچھ نہ کہا کریں۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب تم سے ملنے کے لئے گھر سے نکلوں تو میرا سینہ صاف ہو (مشکوۃ شریف کتاب ال آدب' باب اللسان' الفصل الثانی)

اجتماعی زندگی کو کامیاب بنانے اور اس کو پاک صاف رکھنے کی اس سے زیادہ اور کوئی تدبیر نہیں کہ لوگوں کی برائیاں نہ خود کرے اور نہ دوسروں کو کرنے دے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر شخص جس سے ملے گا صاف دل سے ملے گا۔ میل جول میں سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ لوگ دھڑلے سے دوسروں کی برائیاں کرتے پھرتے ہیں اور اس کی ایسی بری عادت پڑ جاتی ہے کہ پھراور کوئی کام کی بات کرنی نصیب نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کی طرف سے دل میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہو جاتے ہیں آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا۔ ہر ایک کی طرف سے دل خراب ہو جاتا ہے اور ملنے میں نفاق برتنا پڑتا ہے۔ آج کل آپ دیکھ رہے ہیں ہم لوگوں کی کیا حالت ہے کوئی شخص کسی کی تعریف سننا گوارہ نہیں کرتا۔ چھوٹتے ہی منہ سے یہ نکلتا ہے کہ میاں بس رہنے دو لوگوں کی تو سنو اس کی بابت کیا کہتے ہیں۔ لوگ بس دیکھنے میں اچھے معلوم ہوتے ہیں اندر جانے کیا کیا بھرا پڑا ہے بس زیادہ منہ نہ کھلواؤ

تماشا یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کی طرف سے تو بدظن ہے لیکن اپنے آپ کو ہیرا

سمجھتا ہے یہ آپس کی بدظنی اور اپنے سوا ہر ایک کو برا سمجھنا سوسائٹی کی جڑ کھودنے کی چیزیں ہیں۔ اس کا علاج بس ایک یہی ہے کہ ہر شخص دوسرے کی برائی کرنے سے اپنا منہ بند کرلے اور کسی کی بابت اول فول نہ بکے۔ کیونکہ وہ یا تو غیبت ہوگی یا بہتان اور نہ کسی کو موقع دے کہ وہ اس کے سامنے کسی کی برائی کرے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ اپنے پاس بیٹھنے اٹھنے والوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص میرے سامنے دوسروں کی برائی نہ کرے اور نہ کسی کی طرف سے میرے کان بھرے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جس سے ملوں صاف دل سے ملوں۔ اور اس کی ذرا سی بھی برائی میرے دل میں نہ بیٹھی ہو۔ ذرا آپ کے اس صاف ستھرے ارادے سے ان ذی جاہ لوگوں کے ارادوں اور رویوں کا مقابلہ کیجئے' جن کے ہاتھ میں آپ کے بعد لوگوں کی قیادت آئی۔ آج ہمارے چھوٹے بڑے نہ صرف کانوں کے کچے ہیں بلکہ دوسروں کی برائیوں کو مزے لے لے کر سنتے ہیں اور اسی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ دوسرے کے عیب معلوم کریں تاکہ موقع پر اس کے اوپر قابو پانے کا ایک ذریعہ ہاتھ میں رہے اور اسے ڈرا دھمکا کر اپنا مطلب نکالیں۔ یقین جانئے کہ آپ ﷺ نے جو نصیحت فرمائی ہے اگر اس پر عمل نصیب ہو جائے تو آج ہماری حالت سدھر جائے اور میل جول میں سوا آپس کی ہمدردی کے اور کچھ نہ رہے۔ دور حاضر کا نفاق اور بدظنی ختم ہو۔ (اللہ تعالیٰ عمل نصیب کرے آمین)

(بشکریہ! ماہنامہ خطیب)

صدائے فقیر

حسن مومن

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور یوم آخرت پر ایمان انسان کے خیالات اور کردار میں ایک حسین انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ مومن اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرلیتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا خالق' مالک اور حکمران ہے۔ ہر جاندار اور ہر کام کے انجام کی ڈوری اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر واقعہ اور ہر حادثہ اس کے اذن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو اس بھلائی کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی دوسرا اسے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ جس کا رزق چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔ سورج' چاند' ستارے اور کہکشائیں سب اسی کے زیر فرمان گردش کر رہے ہیں۔ وہ چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سن لیتا ہے اور ہمارے سینوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو جانتا ہے۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ زندگی' صحت' قوت' دولت' منصب اور عزت سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنی مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ جس کو چاہے پیدا کرے' جس کو چاہے مارے' جس کو چاہے بنائے' جس کو چاہے بگاڑے' جس کو چاہے عزت دے' جسے چاہے ذلت دے۔ یہ قدرت مخلوق میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ان عقائد کی وجہ سے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے کی برکت سے مومن کو اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اور وہ خوف و حزن کی کیفیات سے نجات حاصل کرلیتا ہے کیونکہ اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ ہماری کوشش اور محنت کے مطلوبہ نتائج اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتے جب تک خالق کائنات کی منظوری شامل حال نہ ہو۔ جس طرح بس یا ہوائی جہاز کے مسافر اپنے جیسے ایک انسان ڈرائیور اور پائلٹ کی عقل اور مہارت پر بھروسہ کر کے راستے کی ٹریفک اور دشواریوں سے بے نیاز ہو جاتے اور بے فکری سے سفر کرتے ہیں اسی طرح ایک مومن پوری کائنات کے نظام کو

چلانے والے علیم و حکیم حکمران پر توکل کر کے تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کر لیتا اور زندگی کے معاملات اور رزق کی کمی بیشی کے تفکرات سے آزاد ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

گر خدا داری ز غم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو

چھوٹے بچے اپنے باپ کے بھروسے پر ہر غم سے آزاد بے فکری کی زندگی گذارتے ہیں حالانکہ وہ محدود ذرائع کا مالک اور تھوڑا سا پیار کرنے والا ایک فانی انسان ہوتا ہے۔ تو ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنے والے، ہر چیز کے مالک، حی و قیوم اور رحمن و رحیم اللہ پر ایمان رکھنے والا مومن کس طرح غم روزگار میں مبتلا رہ سکتا ہے۔ مومن دنیا اور آخرت کی ہر بہتری کے حصول کے لئے حتی المقدور سعی اور جدوجہد کرتا ہے لیکن اپنی کوشش اور ذرائع پر بھروسہ ہرگز نہیں کرتا اور حسب دلخواہ نتائج کے لئے اللہ سے مدد طلب کرتا ہے۔ وہ دنیوی ترقی، کاروبار کی وسعت، فراخی رزق، نعمتوں کی فراوانی اور اپنی اولاد کی کامرانی کو اپنی ذہانت، محنت یا اسباب کی موافقت سے ہرگز منسوب نہیں کرتا بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا نتیجہ گردانتا ہے اور ان پر فخر و تکبر ہرگز نہیں کرتا۔ اگر اس پر کوئی مصیبت آن پڑے یا رزق میں تنگی آجائے تو اسے بھی اپنے اللہ کی طرف سے سمجھتے ہوئے خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔ وہ امیری غریبی اور دکھ سکھ دونوں کو اللہ کی طرف سے آزمائش جانتے ہوئے، نعمتوں پر اللہ کا شکر بجالانے والا اور مصائب کو خوشی سے برداشت کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ ہر آن اللہ کے فضل اور اس کی رضا کا متلاشی رہتا ہے اور خود بھی ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے۔ وہ دنیا میں بڑا بن کر نہیں بلکہ اللہ کا عاجز بندہ بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اس لئے نہ تو وہ کسی کا حق غصب کرتا ہے نہ ہی زور و ظلم یا مکر و جبر سے دوسرے انسانوں پر فوقیت اور حکمرانی کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ توحید الوہیت کے ساتھ ساتھ وحدت آدمیت کا بھی علمبردار ہوتا ہے وہ اپنی فکری صلاحیتوں، روحانی اہلیتوں اور مادی وسائل کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ اللہ رب العالمین پر ایمان کی بدولت مومن کو پوری کائنات میں کوئی بھی چیز بیگانی اور اجنبی محسوس نہیں ہوتی کیونکہ وہ سب کو اپنے حقیقی مالک اور محبوب آقا کی پیاری رعیت سمجھتا

ہے اور اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانے ہی سے اس کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس طرح اس کی محبت' ہمدردی اور خدمت مخصوص دائروں کی پابند نہیں رہتی اور وہ عالمگیر محبت کا علمبردار بن کر اللہ کی ساری مخلوق کا خیر خواہ بن جاتا ہے۔ وہ اللہ کے سوا نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ ہی کسی سے مدد کی توقع رکھتا ہے۔ اس لئے اس کی ذہنیت کبھی غلامانہ نہیں ہوتی اور وہ تلواروں کی چھاؤں میں بھی کلمہ حق بلند کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ وہ متواضع اور منکسرالمزاج ہونے کے ساتھ ساتھ خوددار' بلند حوصلہ اور جرات و بہادری کا پیکر بھی ہوتا ہے۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے' وہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ خود مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر ہمیشہ غالب رہتی ہے اور ہماری بڑی سے بڑی مشکل کو حل کرنا اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ اس لئے مومن بدترین حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ رجائی ہوتا ہے اور مایوسی کو کبھی نزدیک نہیں آنے دیتا۔ مومن کے دل میں اللہ کی محبت اور کثرت ذکر کی برکت سے ایک ایسی حرارت اور برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کی لذت میں وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو ہنستے مسکراتے برداشت کر لیتا ہے۔ مومن کا مرنا اور جینا اللہ کے لئے ہو جاتا ہے وہ اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے وقت یہ نہیں سوچتا کہ کل کھانے کو کہاں سے آئے گا۔ اللہ کی راہ میں اگر اسے اپنی جان بھی دینی پڑے تو اس طرح خوشی سے دے ڈالتا ہے گویا پردیس سے اپنے وطن جا رہا ہو کیونکہ اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ حقیقی اور دائمی زندگی آخرت کی ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلے میں عارضی اور گھٹیا ہے اس لئے وہ اپنی خواہشات کو اللہ کے احکام کے تابع کر دیتا ہے اور دنیا اور اس کی کسی چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا۔ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں وہ لذت اور کشش ہے کہ مومن کی نگاہوں میں اس کے حسن کے سوا اور کچھ جچتا ہی نہیں۔ مومن کی زندگی کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت کو کمال تک پہنچائے' ایمان کی ابتدا اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود' محبوب اور مقصود و مطلوب تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔ اللہ والے فقیروں کی صحبت کے اثر سے جب مومن کے دل میں محبت کا بیج پھوٹتا ہے تو دل ایسی انوکھی لذت سے آشنا ہوتا ہے کہ اس کی نگاہوں میں

دوسری ہر لذت ہیچ ہو جاتی ہے۔ اس کی بے نیازی کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے قرب و دیدار کی خواہش کے سوا اور کوئی خواہش اس کے دل میں باقی نہیں رہتی۔ وہ اللہ کی محبت میں اس قدر مگن ہو جاتا ہے کہ فرشتوں کے تقدس اور حور و قصور کے حسن پر نگاہ التفات ڈالنا بھی اسے گوارہ نہیں ہوتا۔ علامہ اقبالؒ نے اس کی کیفیات کے اظہار کے لئے "ضرب کلیم" میں مومن کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے اسے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مومن دنیا میں

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں

کہتے ہیں فرشتے دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

اطلاع عام

حلقہ نوشہرہ ورکاں کے بھائی شیخ شاہد علی صاحب کے والد اور حلقہ گکھڑ کے بھائی شفیق احمد صاحب کی والدہ کا گزشتہ دنوں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ سب بھائی مرحومین کی مغفرت کیلئے دعا کیجئے۔

خواجہؒ کے خطوط

ترتیب و تدوین (خالد مسعود توحیدی)

1۔ فقیری کا ٹھرک

(بنام محمد قاسم صاحب 1964-1-15)

"مولوی عارف صاحب سے میری طرف سے کہہ دیں کہ ہمارے حلقہ میں کسی فقیر وغیرہ کو لے کر نہ آیا کریں ورنہ ان کے لئے اچھا نہ ہو گا۔ وہ تو فقر کو مذاق جانتے ہیں۔ ان کو کچھ کرنا کرانا تو ہے نہیں بس ٹھرک ہے جیسے کہ بعض لوگوں کو طوائفوں کے ہاں جانے کا ہوتا ہے"

2۔ دعا اور عمل

(بنام محمد قاسم صاحب 1964-1-16)

"سستی اور کاہلی کسی وجہ سے بھی ہو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی بہت برائی کی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم سستی نہ کرو گے تو کامیاب ہو گے ورنہ نہیں۔ ہاں اگر سروس کی وجہ سے کوئی کام نہ ہو سکے تو اس کو سستی نہیں کہیں گے بلکہ اس کو مجبوری کہیں گے۔ کوئی کام ہو اس میں کامیابی اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ وہ مستعدی سے ان قاعدوں کے بالکل مطابق کیا جائے جو اس کام کے لئے مقرر ہیں۔ ویسے دعا تو آپ کے لئے کرتا ہی رہتا ہوں لیکن دعا سے کیا ہوتا ہے جب کہ عمل ساتھ نہ ہو"

3۔ ذہنی اور روحانی پریشانیاں

(بنام محمد قاسم صاحب 1965-9-21)

"ذہنی اور روحانی پریشانیاں کب تک رہیں گی۔ کیا آپ ان سب کو خدا پر چھوڑ کر اطمینان قلب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہدایت تو آپ کو مل چکی ہے۔ یعنی زندگی گزارنے اور آسائش و سکون سے گزارنے کا راستہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اب یہ آپ کی اپنی مرضی ہے کہ اس پر چلیں یا نہ چلیں۔ پیر اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ موٹر میں پٹرول وغیرہ بھر کر اور چلانا سکھا کر موٹر آپ کے حوالے کر دے اور گاڑی سٹارٹ کر کے کچھ دور تک چلا کر بتا دے۔ اس کے بعد بھی آپ گاڑی نہ

چلائیں یا اس کو کھڈ میں پھینک دیں تو یہ قصور آپ ہی کا ہے پیر کا نہیں۔ میں بھی اس سے زیادہ اور کیا لکھوں۔ آپ نے کم از کم نمونہ تو دیکھ ہی لیا ہے کہ پیر کی ہدایت پر عمل کرنے سے دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہوتا ہے"

4۔ اللہ والوں کی جماعت

(بنام محمد قاسم صاحب 1965۔9۔21)

"ستمبر کے چندے کی یاد دہانی کی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اللہ والوں کی جماعت اتنا سا فرض بغیر یاد دہانیوں کے ادا نہیں کر سکتی تو زیادہ کی کیا امید رکھوں؟"

5۔ زبان کی بجائے اخلاق

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 72۔6۔7)

"بس کام کئے جاؤ جو غلطیاں وغیرہ ہونگی خود تجربے سے درست ہوتی چلی جائیں گی۔ مگر اصولوں کو ہاتھ سے کبھی نہ دو ہمیشہ ان پر قائم رہو۔ اور وہ یہی ہے کہ زبان سے اپنی تعلیم اور اس کی خوبیاں بیان کریں۔ دوسرے کسی فرقہ کا ذکر بھی نام لے کر نہ کرو۔ ہاں اگر کسی فرقہ کی تعلیم اسلام کے خلاف ہو تو اس کو قرآن سے غلط ثابت کرو۔ ضرور کرو مگر اس فرقے کا یا کسی لیڈر، مولوی یا پیر کا نام کبھی نہ لو کہ اس سے سننے والا الٹا متاثر ہو جائے گا اور بجائے آپ کی تعلیم پر غور کرنے کے آپ سے لڑنے لگے گا۔ اس لئے محبت سے پیش آؤ سختیاں اور گالیاں سن کر بلکہ مار پیٹ بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرو۔ پھر دیکھو اثر ہوتا ہے کہ نہیں۔2۔ بحث ہرگز نہ کرو۔ 3۔ پریم کی طاقت استعمال کرو۔ 4۔ جہاں حلقہ قائم ہو جائے اس پر ہمیشہ نگاہ رکھو کہ غلط راستہ پر تو نہیں چل رہا۔ سست تو نہیں ہوا وغیرہ۔ نئے حلقہ میں متواتر نگاہ رکھو اور کبھی کبھی وہاں جاتے رہو یہاں تک کہ وہ پختہ ہو جائے۔ یہی بات دوسرے نئے حلقوں کے لئے سمجھ لو۔ مختصر یہ کہ ہر جگہ اور ہمیشہ لوگوں کو اپنی زبان کی بجائے اپنے اخلاق کے نمونے سے متاثر کرو۔ آدمی ہمت کر کے باہر نکلے تو اللہ ضرور مدد فرماتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ اللہ کے واسطے کام کرنے نکلا ہو"

ابتدائی ملاقاتیں اور بیعت

(آفتاب احمد خاں)

تعارف: مجالسِ فقیر کے عنوان کے تحت اب ہمارے مرحوم بھائی آفتاب احمد خاں کے تحریر کردہ واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ آفتاب احمد خاں ہمارے بہت ہی پیارے اور بزرگ بھائی تھے۔ آپ کی ملاقات بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری سے 1964ء میں ہوئی جب آپ ہنوں کی سکونت ترک کر کے لاہور آ چکے تھے۔ اس سے قبل آپ مرشد کی تلاش میں کئی بزرگوں کے ہاں حاضری دے چکے تھے لیکن جب قبلہ حضرت ؒ سے ملے تو انہی کے ہو کر رہ گئے۔ پھر پیار اتنا بڑھا کہ دیکھے بغیر چین نہ آتا اور روزانہ کی حاضری معمول بن گئی۔ اس زمانے میں آپ کے سوا کسی پیر بھائی کے پاس گاڑی نہیں تھی اس لئے قبلہ حضرت ؒ نے کہیں آنا جانا ہوتا تو مصاحبت کی سعادت بھی خاں صاحب ہی کے حصہ میں آئی۔ راقم الحروف نے خاں صاحب سے گزارش کی کہ آپ کافی عرصہ قبلہ حضرت ؒ کے بہت نزدیک رہے ہیں اس لئے ان مبارک مجالس کا کچھ حال قلمبند فرما دیں تاکہ دوسرے بھائی بھی پریم کی مہک سے اپنی روحوں کو تازہ کر لیں۔ چنانچہ آپ نے زندگی کے بالکل آخری ایام میں علالت اور نظر کی کمی کے باوجود یہ گلدستہ تیار کر دیا اور خود 19 اپریل 1997ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ البقاء للہ تعالیٰ وفات سے پہلے اپنی ڈائری اپنے سعادت مند بیٹے شاہد آفتاب خاں کو دیتے ہوئے وصیت فرمائی کہ اسے ذار صاحب کے سپرد کر دینا۔ دوسری تاکید یہ فرمائی کہ میرے بعد بھی حلقہ ذکر اس گھر میں جاری رہنا چاہئے اور تیسری وصیت یہ فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد یہ قل اور دسویں وغیرہ کی رسمیں ہرگز نہ کرانا خواہ رشتہ دار ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ چنانچہ آفتاب احمد خاں ؒ کی رہائش گاہ واقع 46۔ اورنگزیب بلاک، گارڈن ٹاؤن لاہور پر ہفتہ وار حلقہ ذکر اب بھی جاری ہے اور ان کی ڈائری کے مندرجات آپ کی خدمت میں قسط وار پیش کئے جا رہے ہیں (بقلم محمد صدیق ذار توحیدی)

فروری 1964ء کے آخری ایام تھے۔ میں کل کی ملاقات سے مطمئن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل و دماغ سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ دفتر میں مجھے محسوس ہوتا رہا کہ جیسے میں زمین پر نہیں

بلکہ ہوا میں اڑ رہا ہوں۔ میں حیران تھا کہ میری زندگی کی تمام بے قراریاں اور بے چینیاں اتنی جلدی کیونکر کافور ہو گئیں۔ میں تلاش حق میں بہت مارا مارا پھرا اور جن جن بزرگوں کے پاس جاتا رہا ان کی ملاقات کا منظر سارا دن میری آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح چلتا رہا۔ نماز میں خوب دل لگ رہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ زیادہ دیر سجدے میں پڑا رہوں۔ دل ایک عجیب روحانی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر چیز بڑی خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔ پرندوں کا ہوا میں تیرنا، اڑنا، چہچہانا اور شاخوں کی شاخوں کا ہوا میں لہرانا اور جھومنا ایک منفرد کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ یہ بات حقیقت دکھائی دے رہی تھی کہ لوگ سچ ہی کہتے آ رہے ہیں کہ کسی اہل دل یعنی اللہ کے بندے کے ساتھ ایک ساعت کی نشست کئی برسوں کی عبادت پر حاوی ہے۔ اور یہ راز میری زندگی میں ایک نشست ہی سے کھل گیا تھا۔ اب وقت تھا کہ آگے چلتا ہی نہیں تھا حالانکہ دل کی بیتابی کا یہ تقاضا تھا کہ کل کا دن جلدی آ جائے تاکہ پھر ایک نشست ہو جائے۔ اگلے دن دفتر میں بیٹھا وقت کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ میرا ایک دوست آ گیا۔ میں نے قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاری" کے بارے میں تمام حال کہہ سنایا اور وہ بھی میرے ساتھ جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ پھر ہم دونوں وقت مقررہ پر گاڑی میں بیٹھ کر رائل پارک کے لئے جہاں قبلہ حضرت" کا قیام تھا چل دیئے۔ وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ مطلوبہ کمرہ مقفل تھا۔ اڑوس پڑوس سے پوچھنے پر ایک صاحب نے بتایا کہ صاحب خانہ تین چار یوم کے لئے سرگودھا چلے گئے ہیں اور جو بزرگ ان کے ساتھ تھے وہ کینٹ میں اپنے کسی دوسرے مرید کے پاس چلے گئے ہیں جن کے ایڈریس کے بارے میں کسی کو معلوم نہ تھا۔ اس صورت حال سے بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ واپس آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب کینٹ چلتے ہیں۔ میرے دوست نے کہا کہ تم بے وقوف ہو گیا؟ چھاؤنی کا اتنا بڑا علاقہ ہے اور ان بزرگوں کا نام اور پتہ تک معلوم نہیں تو کیسے ڈھونڈیں گے۔ میں نے بے ساختہ کہہ دیا کہ کینٹ ضرور چلیں گے اگر سچا پیر ہے تو خود ہی کھینچ لے گا ورنہ خوار ہو کر واپس آ جائیں گے۔ چنانچہ ہم کینٹ ایریا میں چلے گئے۔ بے خیالی میں ابھی ایک دو موڑ ہی مڑے تھے کہ ایک کوٹھی کے گیٹ سے میں نے دیکھا کہ ایک برآمدے میں ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے۔ میرا دل اٹک گیا کہ کوٹھیوں والے صاحب لوگ اس طرح چارپائی نہیں ڈالتے۔ یہاں ضرور کسی فقیر کا ڈیرہ ہے۔ میں نے گاڑی روک کر گھنٹی بجائی تو ایک نوکر باہر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس حلقے کے ایک بزرگ رائل پارک سے منتقل ہو کر

CS CamScanner

یہاں تو نہیں آئے۔ اس نے کہا کہ یہاں ہی آئے ہیں۔ آپ دوسری جانب کے گیٹ سے اندر آ جائیں۔ اس طرح اللہ کے سچے فقیر سے ملاقات کے لئے خود ہی ہماری راہنمائی فرمائی۔ یوں تو پہلے روز کی ملاقات ہی دل پر گہرا اثر چھوڑ گئی تھی مگر آج بغیر کسی پتہ کے ملاقات ہو جانے کا واقعہ سونے پر سہاگے کا کام کر گیا۔ میں اس پر کافی سوچ بچار کرتا رہا آخر ایک دن حضرت صاحب نے خود ہی فرمایا کہ جس کو جہاں کہیں سے حصہ ملنا ہوتا ہے وہ وہاں خود ہی پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح قبلہ حضرتؒ کے ہاں آنا جانا معمول کا ایک حصہ بن گیا۔ یہ امر بھی حضرتؒ کے پیار اور شفقت کے سبب تھا کہ میں زیادہ بے قرار رہنے لگا۔ جی چاہتا تھا جلد از جلد ان کا مرید بن جاؤں اور بیعت کے بندھن میں بندھ جاؤں۔ کبھی کبھی میں اس خواہش کا اظہار بھی کر دیتا لیکن ان کی طرف سے ہلکی سی مسکراہٹ اور کچھ ٹال مٹول کا ہی اظہار ہوتا۔ اسطرح کے انداز سے میں اور بے چین ہو جاتا اور سوچتا کہ شاید ابھی میرا معیار ایسا نہیں ہے حالانکہ میں دل سے سلسلہ کی تعلیم کو تسلیم کر چکا تھا۔ ایک دن حضرت قبلہؒ سے جمعرات کے حلقہ ذکر میں شمولیت کی دعوت ملی۔ میں نماز عصر کے بعد حاضر ہو گیا۔ نماز مغرب کے بعد ذکر شروع ہوا۔ میرے لئے یہ پہلا تجربہ تھا۔ کمرے کی لائٹ بند کر دی گئی۔ اس تاریکی میں چند لمحوں نے عجیب خاموشی طاری کر دی اور مجھے یوں لگا جیسے دنیا کی ہر چیز ذہن سے غائب ہو گئی اور دل و دماغ اللہ کی یاد کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ پھر خادم حلقہ نے آہستہ سے بسم اللہ سے ذکر کا آغاز کیا تو سب بھائیوں نے با آواز بلند درود پاک پڑھنا شروع کیا مجھے ایسے محسوس ہوا کہ حضور ﷺ کا روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں خاموشی کے ساتھ سر جھکائے مل کر پڑھے جانے والا درود شریف سن رہا ہوں۔ پھر سبحان اللہ کی آواز پر سب بھائیوں نے درود پاک پڑھنا بند کر دیا۔ اب لا الہ الا اللہ کا ذکر شروع ہوا۔ ایک مرتبہ پھر ایسا محسوس ہوا کہ سب لوگ دیوانہ وار خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور کسی کو کوئی ہوش نہیں ہے۔ اس طرح تقریباً ایک گھنٹے تک میں طرح طرح کی کیفیات سے محظوظ ہوتا رہا۔ قبلہ حضرتؒ نے ذکر کے بعد دریافت فرمایا کہ ذکر اچھا لگا؟ میں نے عرض کیا کہ خوب لطف اٹھایا۔ پھر پوچھا کہ مختلف اذکار میں سے کونسا ذکر زیادہ پسند آیا۔ میں نے فوراً کہہ دیا "جناب! سب سے زیادہ مجھے مالک الملک لا شریک لہ وحدہ لا الہ الا ھو پسند آیا" قبلہ حضرت نے مسکراتے ہوئے عجب انداز سے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی اور فرمایا "خوب! تو تو پہلے ہی توحیدی ہے" وقت گذرتا گیا اور میری ملاقاتوں کا معمول بھی زیادہ ہوتا چلا گیا۔ مجھے ایسے لگتا

جیسے ایک غیر مرئی مقناطیسی طاقت کے زیر اثر حضرت صاحب کی طرف کھنچا چلا جاتا ہوں۔ پتہ نہیں کیا بات تھی کہ میں اپنے تمام معمولات کو بھول کر قبلہ حضرت کی ملاقات اور دید کو ہر لحاظ سے ترجیح دینے لگا۔ ایک دن بیعت کے لئے پھر گذارش کی تو فرمانے لگے یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے بیعت کے بغیر بھی تجھے فیض ملتا رہے گا۔ تمہارے ساتھ ہماری دوستی ہے۔ بس دوست دوست کو ملتا رہے۔ میں آج اس جواب سے بہت مغموم تھا کیونکہ اسی دوران بہت سے لوگ بیعت ہوئے تھے۔ میں اپنے سامنے لوگوں کو بیعت ہوتے دیکھتا تھا آخر مجھے انکار کیوں؟ اس رات میں سو نہ سکا۔ رات کے پچھلے پہر ذرا آنکھ لگی تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میرا پیٹ پھولتا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب پھٹا کہ پھٹا۔ لیکن عین اس وقت ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور میرے پیٹ پر رکھ دیا گیا۔ اس ہاتھ کے لگتے ہی میرے پیٹ کی ہوا خارج ہو گئی اور میں نارمل محسوس کرنے لگا۔ فجر کی اذان کانوں میں سنائی دی تو میں خواب سے بیدار ہوا' نماز ادا کی اور کچھ دیر کے بعد دوبارہ سو گیا۔ اب کی دفعہ خوب گہری نیند آئی۔ معمول کے مطابق 9:30 بجے قبلہ حضرت" کے ہاں حاضر ہوا۔ حضرت" آج زیادہ ہی شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے مجھ سے کچھ سننے کے لئے تیار ہیں میں نے رات والے خواب کے بارے میں عرض کرنا شروع کیا تو جب میں اپنی زبان پر "ہاتھ" کا لفظ ابھی لایا ہی تھا تو آپ نے فوراً" فرمایا کہ وہ تو میرا ہی ہاتھ تھا اور ساتھ ہی خادم کو آواز دی اور فرمایا کہ مہمانوں کے لئے مٹھائی لاؤ۔ اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ تم بیعت ہونے کے لئے بہت بے قرار ہو۔ میں نے تمہیں پہلی ملاقات میں ہی بیعت کر لیا تھا آج تمہارے اطمینان کے لئے رسماً بیعت کرتا ہوں۔ بیعت کرنے کے بعد مٹھائی کا ایک ٹکڑا لیا اور پہلے اپنے منہ میں ڈال کر اس کا آدھا حصہ مجھے دے دیا اور بڑی ہی خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ تمہیں بیعت کر کے یوں بھی مجھے بڑی خوشی اس لئے ہوئی ہے کہ تم بنے بنائے میرے پاس آئے ہو۔ مجھے تم پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ سلسلہ توحیدیہ میں تمہاری شمولیت ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے اور میری کیفیت ایسی تھی جیسے منوں بوجھ دل و دماغ سے اتر گیا ہو۔ دل شگفتہ اور بدن ہلکا ہو گیا اور میں سارا دن گویا ہوا کے دوش پر تیرتا رہا رات کو نیند میں بڑے بڑے بزرگوں کے مزارات پر حاضری ہوتی رہی اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگتی رہیں۔ فجر کے وقت جب میں بیدار ہوا تو میرا تکیہ بھیگا ہوا تھا اور طبیعت ہشاش بشاش تھی۔ یہ ایک نئی زندگی کے دوسرے دن کا آغاز تھا۔ (جاری ہے)

تزکیہ اخلاق کی اہمیت

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اگر کوئی شخص صاحب مرتبہ انسان بننا چاہے تو اس کو عبادات و ذکر کے ساتھ ایک مثالی کردار بھی پیدا کرنا چاہئے جو تزکیہ اخلاق سے پیدا ہوتا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ جب تک کسی کا اخلاق قرآن و سنت رسول اکرم ﷺ کے معیار کے مطابق نہ ہو وہ ولی اللہ تو کیا بنے گا اچھا مسلمان بھی نہ بن سکے گا۔ اس لئے جو کوئی اللہ کا قرب و عرفان حاصل کرنا چاہے اس کے لئے اخلاق کا تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ عبادت اور ذکر' تزکیہ اخلاق بغیر سخت کوشش اور مجاہدے کے بالکل ناممکن ہے کیونکہ پرانی بگڑی ہوئی عادات کو دور کر کے نئی پاک اور صالح عادات پیدا کرنا اگرچہ ناممکن نہیں تاہم بہت ہی دشوار بات ہے۔

اخلاق کیا ہے؟

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آپ پر آپ کے ماں باپ' اہل و عیال' عزیز و اقارب' ہمسایوں' اہل محلہ' اہل شہر' اہل وطن اور اہل جہاں کے بے شمار حقوق ہیں۔ ان حقوق کو اپنا فرض جان کر ادا کرنا اخلاق کہلاتا ہے۔ اب اگر آپ یہ حقوق خوشی و خوش اسلوبی سے ادا کریں تو یہ خوش اخلاقی ہے۔ لیکن اگر آپ یہ حقوق بددلی سے بہ مجبوری و بہ کراہت ادا کریں تو یہ بداخلاقی ہے اور اگر آپ یہ حقوق ادا ہی نہ کریں تب تو آپ انسانیت کے دائرے ہی سے خارج ہیں۔ ہرگز انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ کوئی انسان اس دنیا میں دوسروں کی مدد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ آپ بھی اپنی ضروریات زندگی کے لئے دوسروں کے دست نگر ہیں۔ پھر یہ کیا کہ آپ تو دوسروں کی مدد سے اپنی زندگی کو خوشگوار بنالیں لیکن خود دوسروں کی مدد نہ کریں۔ دنیا میں صرف وہی قوم اور وہی معاشرہ خوش حال اور طاقتور بن سکتا ہے جس کے افراد ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور ہر شخص دوسروں کی ہر ممکن مدد کر کے ان کو خوش حال اور طاقتور بنانے میں مدد دے' مسلمانوں کی کمزوری اور پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے افراد گرے ہوؤں کو دولاتیں اور لگانے اور بگڑے ہوؤں کو بالکل ہی مٹا دینے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں شاید یہ بات آپ کی نظر نہ چڑھ سکے لیکن دیہات میں جہاں آبادی تھوڑی ہوتی ہے یہ نظارے آپ اپنی آنکھ سے روز مرہ ہی دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے حلقہ والوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے خاندان اور

برادری میں جہاں تک ان کا دائرہ اثر ہو اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ کوشش نہایت نرمی، خوبصورتی اور محبت سے کی جائے۔ ورنہ لوگ انہی کے خلاف ہو جائیں گے اور فساد بجائے کم ہونے کے اور زیادہ بڑھ جائے گا۔ اگر آپ کی کوششوں سے کسی ایک خاندان کی بھی اصلاح ہو جائے تو یوں سمجھئے کہ انشاء اللہ آپ کی نجات کا پروانہ مل گیا۔ کیونکہ یہ خیر جاریہ ہوگی اور اس خاندان کی تقلید میں دوسرے لوگ بھی اصلاح کی طرف قدم اٹھائیں گے ورنہ خود اس خاندان کے افراد تو نسلاً" بعد نسلاً" خوب سے خوب تر ہوتے چلے جائیں گے۔

سلوک میں تزکیہ اخلاق کے جو طریقے رائج ہیں ان کو اصطلاح تصوف میں نفس کشی کہتے ہیں۔ نفس کشی کے لفظی معنی ہیں نفس کو ہلاک کرنا۔ ہلاک کرنے کا طریقہ یہ بتایا جاتا ہے کہ نفس جو کچھ کہے اس کے خلاف کرو۔ اگر وہ کھانے کو کہے تو بھوکا رکھو۔ ٹھنڈا پانی طلب کرے تو پیاسا رکھو یا گرم پانی پلاؤ۔ سونے کو کہے تو جاگتا رکھو۔ وغیرہ وغیرہ

دوسرے مذاہب کے تصوف میں نفس کشی کے طریقے ناقابل یقین طور پر سخت و درشت ہیں۔ یہ لوگ اپنے جسم کو اس قدر تکلیفیں دیتے ہیں کہ اکثر اوقات جسم نکما اور دماغ بیکار ہو جاتا ہے اکثر ہندو جوگی اور سادھو گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ننگے رہتے ہیں۔ جسم کی حفاظت بالکل نہیں کرتے۔ مئی اور جون کی کڑاکے دار دھوپ میں گرم اور تپتی ہوئی ریت پر پڑے جلتے بھنتے رہتے ہیں۔ سردی میں خواہ برف پڑ رہی ہو ایک لنگوٹی باندھے جنگل میں یا کسی سڑک کے کنارے سارا موسم گذار دیتے ہیں۔ کئی کئی دن تک بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ کوئی شخص اپنا ایک ہاتھ پھیلائے برسوں کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ سوکھ جاتا ہے۔ کوئی ایک ٹانگ پر کھڑے کھڑے اپنی ٹانگ سکھالیتا ہے۔ عیسائی راہبوں میں جسم آزاری اس سے بھی کہیں زیادہ سختی سے کی جاتی ہے۔ ایسے موٹے اون کے کپڑے پہننا جو بدن میں کانٹوں کی طرح چبھیں اور کئی کئی دن تک بھوکے پیاسے رہنا تو ان کی عام عادت ہے۔ لیکن بعض بعض لوگ تو حد سے گذر جاتے ہیں۔ مثلاً" وہ اپنے جسم کو کوڑوں اور زنجیروں سے پیٹ پیٹ کر لہولہان کر لیتے ہیں۔ اپنے بستروں پر کانٹے یا لوہے کی کیلیں اس طرح بچھاتے ہیں کہ نوکیں اوپر کو رہتی ہیں اور جب تک وہ لیٹے رہتے ہیں برابر چبھتی رہتی ہیں۔

دوسرے مذاہب میں بھی یہی کچھ ہے۔ لیکن اسلام اس قسم کی جسم آزاری کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے نفس کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اسلامی

سلوک میں تو کھانے پینے پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ آپ بہتر سے بہتر اور نفیس سے نفیس غذائیں کھا سکتے ہیں۔ ہاں بسیار خوری اور پر خوری البتہ منع ہے۔ اتنا ہر گز نہ کھانا چاہئے کہ طبیعت بھاری ہو جائے دن سستی اور کاہلی میں گذرے اور رات کو جب اللہ اللہ کرنے کا وقت آئے جاگنا محال ہو جائے۔ کپڑوں پر بھی کوئی قید نہیں سوائے ریشمی لباس کے۔ لیکن بہتر اور افضل یہی ہے کہ سلوک کے دوران سالک سادہ کھائے' سادہ پہنے اور ہر لحاظ سے سادہ زندگی گذارنے کی عادت ڈالے اور سپاہیانہ خصلت پیدا کرے ورنہ ایک تو سہل انگاری پیدا ہو گی دوسرے طبیعت میں ممکن ہے غرور و تکبر پیدا ہو جائے جو راہ سلوک کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اسلامی سلوک میں نفس کشی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر و نہی کی جو حدود مقرر کر دی ہیں ان کو تجاوز نہ کیا جائے۔ بجائے خود یہ کام بھی کچھ آسان نہیں۔ اس کے لئے بھی سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ عام انسانوں میں نفس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ برائیوں کی طرف فوراً لپکتا ہے اور نیکیوں کی طرف بڑھنے میں سو حیل و حجت کرتا ہے اس لئے سالک راہ طریقت کو چاہئے کہ ایسے برے ماحول اور بری صحبت سے دور بھاگے جہاں یہ اندیشہ ہو کہ نفس کی برائی کی طرف راغب ہو گا' نیک اور خصوصاً اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھا کرے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہو اور اچھی باتیں بتائی جاتی ہوں۔ بری صحبت آگ کی طرح ہے کہ اس میں ہاتھ ڈالو گے تو ضرور جلے گا۔ جو آدمی بری صحبت میں رہے گا اس میں برائی پیدا ہو گی۔ جو اچھی صحبت میں رہے گا اس میں خوبیاں پیدا ہوں گی۔ اس کے باوجود اگر نفس میں بری خواہش پیدا ہو تو فوراً دماغ کو پاس انفاس کے ذریعہ اللہ کی طرف رجوع کر لیجئے۔ اس طرح بھی کام نہ بنے تو وضو کیجئے اور دو یا چار نفل نماز ادا کیجئے اور استغفار کی دو ایک تسبیحیں پڑھئے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی برے کام کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ یہ بات کہ دماغ میں برے خیال بھی نہ آئیں یہ مبتدیوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو منتہیوں کا کام ہے اور یہ صفائی تو مرتے دم تک ہوتی رہتی ہے۔

اعلیٰ ترین اخلاق پیدا کرنے کے لئے چند باتوں کی عادت ڈالنا ضروری ہے جس میں سب سے اہم چیز صبر یا قوت برداشت ہے۔ اس طاقت کے بل پر دنیاوی زندگی تو سکون و راحت سے بسر ہوتی ہی ہے۔ روحانی منازل و مقامات طے کرنے کے لئے یہ اور بھی زیادہ مفید و ممد ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ کا راستہ طے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں زیادہ وقت تک اللہ کا خیال دل و دماغ میں رچا بسا رہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ دل و دماغ تفکرات و تکلیفات

سے متاثر نہ ہو لیکن ایسا ہونا اگرچہ ناممکن نہیں بلکہ مشکل ضرور ہے۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو تکلیفوں کے بیچ میں پیدا کیا ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اور ہر وقت نت نئے غم و فکر کا مقابلہ کرتے ہوئے دل ان سے کوئی اثر ہی نہ لے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ مشکل ترین کام بھی "ذکر" کی بدولت بہت آسان ہو جاتا ہے ذکر سے سالک کے دل میں ایک ایسا سرور و نشہ پیدا ہوتا ہے جس کے مزے میں دل و دماغ بڑے سے بڑے فکر اور صدمے کا اثر قبول نہیں کرتا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور ایسی لگن لگتی ہے کہ بڑے سے بڑے صدمے اور فکر کا اثر دس پانچ سیکنڈ یا زیادہ سے زیادہ دس پانچ منٹ سے زیادہ دل و دماغ پر مسلط نہیں رہنے پاتا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ چونکہ سالک ہر معاملے کو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے اور ہر بات میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے وہ رنج و غم سے اسقدر متاثر نہیں ہوتا جس قدر عوام ہوتے ہیں۔ وہ چونکہ خدا سے محبت کرتا ہے اس لئے خدا کی بھیجی ہوئی کوئی چیز بھی اس کو بری نہیں لگتی۔ علاوہ ازیں وہ قرآن پڑھتا ہے اور اس میں جو وعدے کئے گئے ہیں ان کی سچائی پر ایمان رکھتا ہے اس لئے وہ جانتا ہے کہ خدا جو کچھ بھی کرتا ہے اور جو کچھ بھی بھیجتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے برا ہو ہی نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اللہ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ تم کو پاک بنائے اور تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے" اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی پر مصائب یا تکالیف ڈالتا ہے تو تکلیف و آزار پہنچانے کے لئے نہیں ڈالتا بلکہ وہ اس کو اس قابل بنانا چاہتا ہے کہ اس پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے۔ ایک سالک راہ طریقت کو چونکہ قرآن کی ہر آیت پر یقین کامل ہوتا ہے اس لئے تکلیف و مصیبت کے وقت وہ اس آیت کی روشنی میں تکلیف کی بجائے الٹا سکون حاصل کرتا ہے اور یہ یقین کر کے خوش ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تکلیف و مصیبت کے بعد ضرور کوئی اچھی سی نعمت عطا فرمائے گا۔ یہ بات تو سبھی مانتے ہیں کہ مصیبت میں خدا خوب یاد آتا ہے۔ اس لئے مصیبت اس لحاظ سے بھی اچھی ہے کہ وہ خدا کی یاد کو بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔ مصائب میں سب سے بری مصیبت رزق کی کمی یا فاقہ کی ہے سالک پر جب رزق کی تنگی ہوتی ہے یا سچ مچ ہی فاقے ہونے لگتے ہیں تب بھی وہ ہراساں نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو یاد کر کے بے فکر ہو جاتا ہے کہ میرا رزق آسمان میں ہے اور وہ مجھ کو ضرور پہنچایا جائے گا۔ اسی طرح وہ بیماری سے بھی نہیں گھبراتا۔ وہ جانتا ہے کہ بیماری سے گناہ ہلکے ہوتے ہیں اور خدا زیادہ یاد آتا ہے۔

اسے اطمینان ہوتا ہے کہ ہر ایک مصیبت کا وقت مقرر ہے جب وقت آئے گا وہ تندرست ہو جائے گا۔ بیماری تو کیا وہ موت سے بھی نہیں ڈرتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس وقت سے نہ ایک ساعت پہلے آسکتی ہے نہ بعد میں۔ الغرض! وہ کسی مصیبت اور تکلیف سے اپنے دماغ کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ مصائب و تکالیف میں اور بھی زیادہ اللہ کی طرف رجوع ہو جاتا ہے جس سے اس کو انتہائی سکون قلب حاصل ہوتا ہے اور اللہ سے اس کے تعلق اور قرب میں زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے۔

برادران حلقہ! یاد رکھئے کہ ہر وہ شے جو خدا کی یاد سے غافل کردے راہ سلوک کی رکاوٹ ہے اور ترقی اسی وقت ہوتی ہے اور روحانی طاقت اسی وقت بڑھتی ہے جب کہ راستے کی رکاوٹوں کو قوت ارادئہ کی طاقت سے ٹھکرا کر دور کر دیا جائے۔ راستہ کی رکاوٹیں صرف مصائب و آلام ہی نہیں عیش و آرام اور دولت و ثروت زیادہ خطرناک رکاوٹیں ہیں۔ یہ سالک کو اللہ کی طرف سے بہت جلدی غافل کر دیتی ہیں۔ اس لئے جس کے پاس دولت و ثروت نہ ہو اس کو رنجیدہ نہ ہونا چاہئے بلکہ شکر کرنا چاہئے کہ اللہ نے اس کو ایسی مہلک آزمائش اور رکاوٹ سے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ نے دولت دی ہے ان کو ڈرنا اور ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے کہ کہیں یہ سنہری رو پہلی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اس کو خدا کے ساتھ ملنے سے باز نہ رکھیں۔ جس طرح سالک مصائب کے اثرات سے دل کو محفوظ رکھتا ہے اسی طرح دولت کا اثر بھی دل و دماغ پر ہرگز نہ ہونے دینا چاہئے۔ دولت بری شے نہیں اگر اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ اس میں سے اگر اللہ کو قرض حسنہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ سینکڑوں گنا زیادہ کر کے واپس کرتا ہے البتہ اگر اس کو لہو و لعب اور بدکاری پر اٹھایا جائے تو پھر یہ فتنہ عظیم ہے خدا کا قرب و عرفان تو بہت بڑی بات ہے کہ ایسے لوگوں کو جنت بھی شاید ہی ملے۔ اس لئے دولت کو برے کاموں میں ہرگز خرچ نہ کرو۔ نہ اس پر غرور و تکبر کرنے لگو۔ ہر وقت خدا سے ڈرتے اور یہی دعا کرتے رہو کہ وہ تم کو دولت کے شر سے محفوظ و مامون رکھے اور نیک کاموں میں خرچ کرنے بالخصوص غریبوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قوت برداشت پیدا کرنے کی ایک آسان ترکیب یہ بھی ہے کہ غصہ اور نفرت کو بالکل نفی کر دیا جائے۔ غصہ ہمیشہ ایسی بات پر آتا ہے جو ناگوار ہو اور نفرت اسی چیز سے ہوتی ہے جو بری لگے۔ اس طرح کسی بات کے ناگوار ہونے یا بری لگنے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اس کو برداشت نہیں کرسکتے۔

دن میں متعدد بار ایسے واقعات ہوتے ہیں جو انسان کو ناگوار گذرتے ہیں اس لئے دن کا بیشتر حصہ جلنے کڑھنے اور غصہ کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ سکون نصیب نہیں ہوتا۔ جن لوگوں کو ہر وہ بات بری لگتی ہے جو ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتی ان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور وہ کوئی مفید کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ اس لئے سکون اور اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی اس عادت کی اصلاح کرے اور کم از کم چھوٹی چھوٹی باتوں پر برا ماننا' منہ پھلانا' ناک بھوں چڑھانا اور چیں بہ جبیں ہونا چھوڑ دے۔ اس پر بھی اگر کبھی غصہ آ ہی جائے تو غصہ اتر جانے کے بعد یہ سوچنا اور غور کرنا چاہئے کہ آپ کو غصہ کرنے سے کیا فائدہ ہوا۔ بار بار غور کرنے اور سوچنے سے آپ کو محسوس ہونے لگے گا کہ غصہ کرنے سے فائدہ تو کچھ نہیں ہوتا' دل و دماغ البتہ پریشان ہو جاتے ہیں اور طبیعت کافی عرصہ تک بدمزہ رہتی ہے۔ یہی بات نفرت پر صادق آتی ہے۔ جن چیزوں یا آدمیوں سے آپ کو نفرت ہوتی ہے ان کا کچھ بگڑتا نہیں' خود آپ ہی کے دل و دماغ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر اس نقطہ نظر سے کافی عرصہ تک آپ غور کرنے کی عادت ڈال لیں تو بعد میں آپ کو خود اپنے اوپر ہنسی آنے لگے گی کہ کن فضول باتوں پر پریشان ہو کر خود اپنے آپ کو بے وجہ تکلیف پہنچاتے رہے ہیں۔

جب چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آنا بند ہو جائے اور معمولی معمولی چیزوں سے نفرت جاتی رہے تو سمجھنا چاہئے کہ قوت برداشت ترقی کر رہی ہے۔ اس کے بعد بڑی بڑی باتوں پر غصہ اور نفرت کی نفی کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ نفرت کا جذبہ جاتا رہے اور صرف ناپسندیدگی باقی رہ جائے۔ یاد رکھئے کہ غصہ جو ایک فطرتی جذبہ ہے بالکل تو نفی نہیں ہو گا تاہم کنٹرول اور قابو میں آجائے گا۔ اکثر اہل حلقہ مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ کو بھی تو غصہ آجاتا ہے۔ ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ غصہ صرف میری آواز اور چہرے ہی سے ظاہر ہوتا ہے میرے دل و دماغ پر غصہ کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح جیسے طوفان کے وقت سمندر کی صرف سطح متلاطم ہوتی ہے نیچے تہ پر کامل سکون ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ عادت پڑ جائے تو اسے حق ہے کہ ضرورت پڑنے پر غصہ کا اظہار کر لیا کرے۔ ہمارے حلقے کے بہت سے آدمی آفسر ہیں اور ان کو اپنے ماتحتوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر ماتحت نرمی سے نہ مانیں تو اس وقت اوپری دل سے ڈانٹ ڈپٹ اور غصہ کا اظہار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میں نے تعمیر ملت میں صاف صاف تو لکھ دیا ہے کہ غصہ ایک فطرتی جذبہ ہے جو بالکل کبھی نہیں مرتا قابو میں ضرور آجاتا ہے لیکن یہ بات

اس کو بالکل نفی کرنے کی کوشش ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بات جس پر غصہ قدرتاً آنا چاہئے اس پر غصہ ضرور آتا ہے لیکن وہ آپ کے دل و دماغ اور عقل کو اس قدر متاثر نہیں کر سکتا کہ آپ کوئی ناجائز یا نقصان دہ حرکت کر بیٹھیں۔

اس تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے کوئی شخص آپ کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے آپ کو غصہ نہیں آنا چاہئے۔ بلکہ جواباً اس کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا سلوک کرنا چاہئے۔ ہاں جب معاملہ آپ کی ذات سے گذر جائے اور آپ کی خاندانی، قومی یا مذہبی عزت پر زد پڑتی ہو اس وقت غصہ آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس وقت بھی غصہ اس حد تک قابو میں رہنا چاہئے کہ کوئی غیر قانونی یا غیر شرعی حرکت ہرگز سرزد نہ ہونے پائے آپ اپنے ناموس اور قومی و مذہبی عصمت و عزت کا دفاع کرنے کے لئے ہر ایسا قدم اٹھا سکتے ہیں جو شرعاً اور قانوناً جائز ہو۔ آپ روزانہ اخبارات میں ایسی خبریں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو دو چار آنے یا دو چار روپیہ کے لئے جان سے مار ڈالا۔ اپنی مستورات کے متعلق ذرا سے شبہ پر کئی آدمیوں کو قتل کر ڈالا یا پورے خاندان کا صفایا کر دیا۔ گھر کو آگ لگا دی یا خودکشی کر لی۔ یہ سب حرکات معاشرہ کے لئے بیحد تباہ کن ہیں اور محض اس وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں کہ آدمیوں کو ذرا ذرا سی بات پر غصہ آجاتا ہے اور ان کی عقل ماری جاتی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اخبارات ایسی خبروں کو بڑی بڑی جلی سرخیوں سے خوب نمایاں طور پر شائع کرتے ہیں۔ شاید ان اخبارات کے ناشر یہ سمجھتے ہوں کہ اس طرح لوگوں کو عبرت ہو گی اور یہ جرائم کم کریں گے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ نصیحت اور عبرت تو دو چار پڑھے لکھے لوگوں ہی کو ہوتی ہو گی البتہ جہلا کو ایسے جرائم کے ارتکاب پر جسارت ضرور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن مجید میں فرمایا ہے لا یحب اللہ الجھر بالسوء یعنی کسی بری بات کو بلند آواز سے بھی بیان نہ کرو۔ یہ نعوذ باللہ بیکار تو نہیں فرمایا۔ سمجھنا چاہو تو موٹی سی بات ہے کہ آدمی جو کچھ سنتا ہے یا دیکھتا ہے وہی سیکھتا ہے۔ اس لئے یقینی ہے کہ بری باتیں کان میں پڑیں گی تو بری باتیں سیکھو گے، اچھی باتیں سنو گے تو اچھی باتیں سیکھو گے۔ مقصد اس تمام تقریر کا یہ ہوا کہ غصہ اور نفرت کی نفی کرنے سے قوت برداشت بڑھتی ہے جو دنیوی، دینی اور روحانی ترقی کے لئے ناگزیر اور اعلیٰ ترین کردار انسانی پیدا کرنے کے لئے ایک اہم ترین صفت ہے۔

قوت برداشت کیوں ایک اہم ترین صفت ہے؟ اس لئے کہ یہ انسان کی عقل کو ایسے نازک سے نازک موقعوں پر محفوظ اور قائم رکھتی ہے جب کہ جذبات کا تلاطم برپا ہوتا ہے۔ جن کی عقل

جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے ان سے اضطراراً ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو ان کی اور ان کے خاندان کی تباہی کا باعث ہوتی ہیں اور معاشرہ میں بھی فساد برپا کرتی ہیں۔ انسان کی فضیلت اور شرافت دوسری مخلوق پر صرف عقل کی وجہ سے ہے۔ اس لئے جب انسان جذبات سے مغلوب ہو جائے اور اس کی عقل جاتی رہے اس وقت وہ ارذل المخلوقات ہوتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جذبات بری یا بیکار شے ہیں۔ جذبات نہ ہوں تو عمل ساقط ہو جاتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ترقی اور چہل پہل نظر آتی ہے یہ سب جذبات ہی کی کار فرمائی ہے۔ لیکن جذبات اس وقت تک مفید اور کار آمد ہوتے ہیں جب تک عقل کی پاسبانی اور رہنمائی میں رہیں۔ مثال کے طور پر محبت ہی کے جذبے کو لیجئے۔ یہ کتنا پاک اور شریفانہ جذبہ ہے۔ یہ نہ ہو تو دنیا میں امن و امان ہی قائم نہیں رہ سکتا۔ امن و امان تو رہا ایک طرف، نوع انسان اور دوسری مخلوقات کی پیدائش اور بقا بھی اسی جذبہ سے ہے۔ والدین خصوصاً ماں کو جو محبت اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے اسی کی وجہ سے وہ سو تکلیفیں اٹھا کر ان کو پرورش کرتی ہے۔ حیوانات میں بھی ہر مادہ اپنے بچوں کو محبت ہی کی وجہ سے پالتی ہے۔ محبت نہ ہو تو تمام مخلوق کی نسلیں تباہ ہو کر رہ جائیں لیکن یہی محبت کا جذبہ اگر عقل کی رہنمائی سے محروم ہو جائے تو ایک کمینہ جذبہ بن کر رہ جاتا ہے۔ زنا جیسا جرم اور گناہ جس کا کوئی کفارہ ہی نہیں ایسی ہی حالت میں سرزد ہوتا ہے جب کہ جذبہ ہی جذبہ باقی رہے اور عقل جاتی رہے۔ زنا کے برے نتائج جو زانی اور معاشرے کو بھگتنے پڑتے ہیں ان کا خیال کرنے سے عقل مندوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جتنے قتل زنا کی وجہ سے ہوتے اور جتنے گھر اس کی وجہ سے اجڑتے ہیں اور کسی وجہ سے برباد نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ اگر پاکبازی بھی باقی رہے تو یہی جذبہ محبت جب اپنی حد سے بڑھ کر عشق بن جاتا ہے اور عشق بھی جب اوسط سے زیادہ ہو جائے تو جنون اور پاگل پن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایسے عشق سے نہ عاشق کو کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ محبوب کو۔ انجام رسوائی اور تباہی کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اسی طرح غیرت کا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ بھی بے انتہا شریفانہ ہے اگر جذبہ غیرت نہ ہو تو انسان اپنی عورتوں کی عصمت اور اپنے خاندان اور مذہب کی عزت کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ لیکن اس جذبہ کے سر سے بھی جب عقل کا سایہ اٹھ جاتا ہے تو لوگ ذرا ذرا سی فضول رسموں، بیکار باتوں اور بے بنیاد شبہات پر ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگتے ہیں۔ ایسی حمیت و غیرت کی ایک مثال وراثتی انتقام ہے جب کہ ایک شخص اپنے باپ دادا کی قتل کا بدلہ قاتل کے بیٹے یا پوتے کو قتل کر کے لیتا

ہے حالانکہ وہ بالکل معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں۔ ایسی غیرت کو مذہب نے الحمیتہ الجاہلیت کے نام سے یاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو اس شر سے پاک فرمائے۔ آمین

الغرض! کسی جذبہ کی تحلیل نفسی کیجئے اور کسی پہلو سے دیکھئے نتیجہ یہی نکلے گا کہ جذبات جب تک عقل کے تابع رہیں مفید اور تعمیری رہتے ہیں۔ جہاں عقل کی پاسبانی سے محروم ہوئے تخریبی اور تباہ کن بن جاتے ہیں۔ میری اس تقریر سے آپ کو یہ سیکھنا چاہئے کہ جذبات کو ہمیشہ قابو میں رکھیں اور عقل کی روشنی میں ان سے کام لیں۔ مگر یہ بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ صبر یعنی برداشت کی قوت آپ کے اندر بدرجہ اولیٰ پیدا نہ ہو جائے۔ ان اللہ مع الصابرین کا یہی مطلب ہے کہ اللہ انہی کے ساتھ ہے جو قوت برداشت رکھتے ہیں اور عقل کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔

اعلیٰ کردار و اخلاق پیدا کرنے کے لئے اور بھی کئی صفات ضروری ہیں مگر میں یہاں صرف دو باتوں کا ذکر کروں گا۔ اگر یہ دو باتیں پیدا کرلی جائیں تو باقی محاسن اخلاقی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ دو باتیں یہ ہیں۔ ایک وقت اور وعدے کی پابندی، دوسرے انکسار۔

میں اپنے اہل حلقہ کا اکثر جائزہ لیتا رہتا ہوں اور اس وقت یہ بیان کرنے میں مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ الحمد للہ ہمارے حلقہ والوں کا اخلاق عام مسلمانوں سے کہیں افضل و اعلیٰ ہے۔ میں نے اکثر آدمیوں کو ان کے اخلاق کی تعریف کرتے سنا ہے۔ خصوصاً جب ہمارا کوئی بھائی برائی کا بدلہ نیکی اور گالیوں کا جواب مسکراہٹ اور دعا سے دیتا ہے تو سننے والے یہی کہتے ہیں کہ " سبحان اللہ اس دور میں بھی ایسے مسلمان باقی ہیں " مگر ایک بات کو دیکھ کر مجھے بہت افسوس اور دکھ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اہل حلقہ میں اکثر آدمی ایسے ہیں جو وقت اور وعدے کی پابندی بالکل نہیں کرتے۔ تاہم مجھے اعتراف ہے کہ ہمارے فوجی بھائی فوجی تربیت کی وجہ سے وقت کی پابندی تو کرتے ہیں لیکن وعدے کے پابند تو ان میں بھی بہت کم لوگ ہیں۔ سول والوں کا تو کہنا ہی کیا۔ وہ نہ تو وقت کے پابند ہیں نہ وعدے کے الا ماشاء اللہ وقت اور وعدے کی پابندی کردار انسانی کی عمارت میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ نہ ہو تو اور خوبیوں پر بھی پانی پھر جاتا ہے۔ وقت کی پابندی سے انضباط عمل پیدا ہوتا ہے جس کے بغیر کوئی سکیم اور کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پانچ وقت کی نماز بہ آواز بلند آپ کو پکار پکار کر پابندی وقت کا سبق یاد دلاتی ہے لیکن جو لوگ وقت پر نماز ہی ادا نہیں کرتے ان سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ اور کاموں میں وقت کی پابندی کریں گے۔

برادران حلقہ! جو آدمی وقت کا پابند نہیں ہوتا وہ قدرتاً اپنے اعمال و افعال میں سست ہوتا ہے اور سستی خدا کو بہت ہی ناپسند ہے۔ وہ سست آدمیوں کے کاموں میں کبھی برکت نہیں دیتا۔ اس لئے آپ اچھی طرح دل میں بٹھا لیجئے کہ وقت کی پابندی نہ کر کے آپ اپنی دنیا کا بھی نقصان کرتے ہیں اور دین کا بھی۔

وعدے کی پابندی بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ حلقہ کی تعلیم میں صداقت کا اختیار کرنا ایک ضروری شرط ہے اور اس پر آپ سے بیعت بھی لی جاتی ہے۔ طریقت توحیدیہ میں جسم انسانی کے ہر عضو کی صداقت کا مفصل بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ زبان کی صداقت یہ ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ کبیرہ گناہ کر کے یہ امید رکھنا کہ آپ کو خدا کا قرب میسر آئے گا کس قدر قابل مضحکہ بات ہے۔ ایفائے وعدہ کے متعلق بھی قرآن میں نص صریح موجود ہے۔ اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا "وعدہ پورا کیا کرو قیامت کے دن اس کی بابت پوچھا جائے گا" اس نص صریح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ امید رکھنا کہ آپ ولی اللہ بن جائیں گے انتہائی خود فریبی ہے۔ تعمیر ملت اور طریقت توحیدیہ میں یہ سب لکھا ہوا ہے لیکن آپ نہ یہ پڑھتے ہیں نہ وہ۔ براہ کرم دونوں کتابوں کی ایک ایک جلد لازماً اپنے پاس رکھیں اور روزانہ تھوڑا بہت پڑھا کریں اور جو لکھا ہے اس پر عمل کریں۔

انکساری بھی تعمیر کردار کے لئے ایک بہت ہی اہم صفت ہے مگر جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ انکساری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے آپ کو دوسروں سے ذلیل و حقیر سمجھیں۔ ایسا خیال کرنا بھی انتہائی دنائت اور غلامانہ ذہنیت کی علامت ہے۔ ایسی ذہنیت کے لوگ شرافت سے بالکل معریٰ ہوتے ہیں ان کا کردار کبھی بھی اعلیٰ درجے کا نہیں بن سکتا۔ ایسے لوگوں میں بہت سی کمینہ خصلتیں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ خوشامدی' چغل خور اور اول درجے کے بے غیرت ہوتے ہیں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ان کو شرم محسوس نہیں ہوتی اور جب یہ عادتیں دل میں گھر کر لیتی ہیں تو بھیک مانگنے اور چوری کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ آپ کا پہلا شرف یہ ہے کہ آپ انسان ہیں اور دوسرا شرف یہ ہے کہ آپ مسلمان ہیں (بشرطیکہ آپ اسلام کی تعلیم پر عمل بھی کرتے ہوں) ان دو شرافتوں کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو حقیر و ذلیل سمجھنا کسی طرح بھی جائز و مناسب نہیں۔

انکسار یہ بھی نہیں ہے کہ آپ لوگوں سے بات کرتے وقت مسمسا سا منہ بنالیں اور آنکھیں جھکا

کر عاجزی سے بات کریں اور جس سے باتیں کر رہے ہیں اس کو اپنے سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہوں۔ یہ تو ظاہر داری بلکہ ریاکاری ہے۔

انکساری تو یہ ہے کہ آپ کے دل میں غرور و تکبر بالکل نہ ہو۔ دل سے دوسروں کی عزت کریں۔ خاطر داری اور تواضع سے پیش آئیں اور کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے دوسروں کی دل شکنی ہوتی ہو۔ غرور و تکبر انسان کو دوسروں کی نظر سے گرا دیتا ہے اور لوگ کسی ظاہری لالچ یا خوف سے اس کی تعریف ہی کیوں نہ کریں دل سے اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کو پڑھ کر شاید آپ کے دل میں اعتراض پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم نے تم میں سے بعض آدمیوں کو دوسرے آدمیوں پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں پر خدا نے ہم کو فضیلت دی ہے ان کو ہم اپنے سے حقیر و ذلیل کیوں نہ سمجھیں۔ یہ خیال اور اعتراض بالکل غلط ہے۔ کسی کو حقیر و ذلیل سمجھنا اور بات ہے لیکن کسی کو اپنے سے کمتر یا برتر جاننا بالکل دوسری بات ہے۔ فضیلت کی بہت سی چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ مثلاً" جسمانی طاقت' خوبصورتی' دولت' منصب' علم' حکومت' بزرگی اور اتقا وغیرہ۔ تو ان چیزوں میں اگر آپ کو کسی پر یا کسی کو آپ پر فضیلت حاصل ہے تو اس قسم کی فضیلت کو ضرور ماننا چاہئے اور جتنی کسی کو فضیلت حاصل ہو اتنا ہی اس کا ادب اور پاس و لحاظ کرنا چاہئے اور جن چیزوں میں اللہ نے آپ کو دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اس کا صحیح احساس و عرفان بھی آپ کو ہونا چاہئے۔ یہی نہیں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اگر آپ کسی سے اس کا ذکر بھی کریں تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عین منشائے خداوندی کے مطابق ہے۔

یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کا فائدہ آپ کو اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب کہ آپ ان باتوں پر عمل کریں ورنہ اس کان سننے اور اس کان اڑا دینے سے تو کبھی بھی کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

آیئے اب دعا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اخلاق حسنہ کی دولت سے مالا مال فرمائے اور صراط مستقیم پر چلائے۔ آمین

(اقتباس۔ چراغ راہ خلبہ نمبر4)

تقاریر و خطابات

توحید و رسالت کے تقاضے

(سید ابو بکر غزنویؒ)

میں نے عرض کیا تھا کہ جس کسی سے ہم یوں محبت کرنے لگیں۔ جس کسی کو ہم اپنی محبتوں اور چاہتوں کا محور ٹھہرا لیں اور ایسی محبت کرنے لگیں جیسے اللہ سے محبت کرنے کا حق ہے وہی ہمارا بت ہے اور ہم اس کے پجاری ہیں۔ وہ ہمارا نفس ہو یا برادری ہو یا مال و دولت کی محبت ہو یا جاہ و حشمت کی چاہت ہو۔ جس کسی کو ہم یوں چاہیں جیسے اللہ کو چاہنے کا حق ہے وہی ہمارا بت ہے اور ہم اس کی پوجا کر رہے ہیں۔

اس آیت پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ "من دون اللہ" استعمال کیا۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا اوروں کو ساجھی اور شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اس کا ہم پایہ اور ہم پلہ قرار دے دیتے ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرماتے ہیں وہاں بجائے اس کے کہ بتوں کے لفظ استعمال کریں لفظ من دون اللہ استعمال کرتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا۔۔۔ یہ ایسا بلیغ لفظ استعمال فرماتے ہیں کہ ان میں تمام بت آ جاتے ہیں۔ وہ پتھر کے ہوں، نظریات کے ہوں، علاقائی اور لسانی ہوں یا رنگ اور نسل کے بت ہوں قرآن مجید پر غور کرنے کی بات ہے کہ صرف یہیں نہیں اکثر جگہوں پر لفظ "من دون اللہ" استعمال فرمایا۔

ان الذین تدعون اللہ من دون اللہ عباد امثالکم

اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح بندگان الٰہی ہیں۔ یہاں بھی لفظ "من دون اللہ" استعمال فرمایا۔ والذین تدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا جس کو تم پکارتے ہو بھلا دیکھو تو سہی یہ خود کسی چیز کے خالق ہیں؟ یہ تو خود مخلوق ہیں۔ تم نے ان کو معبود ٹھہرا دیا ہے۔ جو خود مخلوق ہیں ان کے سامنے ماتھا ٹیکتے ہو۔ تو "من دون اللہ" میں زندہ، مردہ، پتھر اور ہر چیز آ گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو للکارا کہا تم کس کام میں لگے ہو ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون تم خود مورتیاں تراشتے ہو پھر ان کے سامنے ماتھا ٹیک دیتے ہو۔ کیا تمہاری انسانیت کی اس سے توہین نہیں ہوتی؟ اس وقت بھی آپ نے فرمایا اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ اللہ کے علاوہ تم جس جس کی پوجا کرتے ہو حیف ہے تم پر اور ان پر یہاں بھی لفظ "من دون اللہ" استعمال فرمایا۔

یہ جو آیت میں پڑھ رہا ہوں اس میں بھی یہی فرمایا ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداد آپ دیکھیں جو آدمی اپنے نفس کی پوجا کرتا ہے قرآن نے اسے بھی کہا۔

ارئیت من اتخذ الٰھہ ھواہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی ہوا و ہوس کو خدا بنایا ہوا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنے نفس کو بھی خدا بنا لیتا ہے۔ افانت تکون علیہ وکیلا آپ

ایسے شخص کے ذمہ دار بنتے ہیں؟

اس ساری بات سے میں بتانا یہ چاہتا تھا کہ قرآن نے "من دون اللہ" کے لفظ استعمال کیے جن سے ہر بت کی نفی ہو گئی وہ پتھر کا ہو' نظریات کا ہو' خیالات کا ہو یا انسانوں کا بت ہو۔ اور کہا کسی کو بھی میری محبت میں شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ بات سمجھنے کی ہے دوستو! آپ دیکھئے خاوند بیوی کی تمام لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے مگر اپنی محبت میں غیر کو شریک نہیں دیکھ سکتا۔ یہ اتنا بڑا جرم قرار پایا۔ حالانکہ خاوند کوئی ایسا مربی نہیں ہے جیسا مربی حقیقی خدا ہے' جیسے وہ رب العالمین ربوبیت فرما رہے ہیں خاوند یوں ازلی و ابدی طور پر ربوبیت نہیں کر رہا مگر اس کے باوجود اس کی غیرت کا یہ حال ہے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ میری محبت میں غیر کو شریک ٹھہراتی ہے تو اسکی سب خدمتیں اکارت گئیں محض اس بنا پر کہ خاوند کی محبت میں غیر کو شریک کرتی ہے۔ یہی شرک کی حقیقت ہے۔

دوستو! وہ کہتا ہے میں تمہیں عدم سے وجود میں لایا ہوں۔ میں تمہیں پالتا ہوں۔ میں تمہاری ربوبیت کر رہا ہوں اور جب سب کچھ دے رہا ہوں تو غیر سے ایسی محبت کیوں کر سکتے ہو جیسی مجھ سے ہونی چاہئے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ میں سب کچھ معاف کر دوں گا۔ مگر شرک معاف نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ الا له الخلق والامر ساری کائنات کو میں نے تخلیق کیا ہے اور کائنات میں حکومت بھی میری ہی چلے گی۔ ریاست میں ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے فرائض میں کوتاہیاں ہوتی ہیں جواب طلبی کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ پتہ چل جائے کہ اس آدمی کے پاس وائرلیس ہے دشمنوں کا حلیف ہے ان کے ساتھ ساز باز کرتا ہے انہیں خبریں پہنچاتا ہے اس کو معاف نہیں کیا جاتا کہ ریاست سے بے وفائی کر رہا ہے یہی شرک کی حقیقت ہے۔

دوستو! وہ کہتا ہے میں تمہارا رب ہوں اور میرے ساتھ تعلقات رکھتے ہوئے تیسروں سے ساز باز کرتے ہو۔ کوئی حکومت اپنے ملک و ملت کے غدار کو معاف نہیں کرتی۔ یہی معاملہ ہے شرک کا بھی۔ فرمایا

والذین امنوا اشد حبا للہ جو صحیح معنوں میں مومن ہیں انہیں بڑی سخت محبت ہوتی ہے اللہ کی ذات سے۔ لا ایمان لمن لا محبۃ له اس شخص کا کوئی ایمان نہیں ہے جس شخص کو محبت نہیں ہے۔ اس کو علامہ اقبالؒ فرماتے تھے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہ تصورات

فرماتے ہیں پورا مذہب کیا ہے۔ تصورات کا بتکدہ ہے عقل کا اگر کوئی مرشد ہے تو عشق ہے۔ دل کا گر کوئی رہنما ہے تو عشق ہے اور عقل کو اگر کوئی پاک رکھتا ہے تو عشق ہے۔

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہ تصورات

فرماتے ہیں کہ اگر عشق کا جذبہ ختم ہو جائے تو سارا دین ساری شریعت تصورات کا بتکدہ بن جاتا ہے حضرت مولانا رومؒ فرماتے تھے۔

شادباش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیب جملہ علتہائے ما

فرماتے ہیں اے ہمارے عشق کی دیوانگی، زندہ او پائندہ باد ہماری سب بیماریوں کی تو دوا ہے اے عشق تو ہمارا طبیب ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

تو ہمارے جھوٹے وقار کی دوا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں جاتا جب تک عشق انسان کے اندر نہیں آتا

اے دوائے نخوت و ناموس ما

(تو ہمارے تکبر کی بھی دوا ہے اور جھوٹے وقار کی بھی دوا ہے)

اے تو افلاطون و جالینوس ما

اگر ہمیں ذہنی پختگی حاصل ہوتی ہے تو اے عشق یہ تیری وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ جالینوس ما۔ اے عشق ہماری صحت اور توانائی تیرے دم سے ہے۔ اگر اللہ کے عاشق بڑھاپے میں بھی جذب و مستی کی حالت میں ہیں تو اے عشق یہ تیرا ہی فیضان ہے۔ عشق کو حاصل کرنے کا طریق میں نے عرض کیا تھا۔ ایک تو چند منٹ اللہ کے ذکر میں روز لگاتا رہے۔ ذکر کے علاوہ فکر ہے۔ اس بات کا مراقبہ کرنا کہ ایسا حسن تو کسی میں نہیں ہے اور ساری کائنات اسی کے حسن کا پرتو ہے۔ یہ تصور کرنا کہ جیسا کمال اس میں ہے اور کسی میں نہیں ہے۔ یہ تصور کرنا کہ یہ بخشش اور کرم وہ مجھ پر کر رہا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کے کمال اس کے جمال اور اس کے نوال کا مراقبہ کرنا۔ اسے فکر کہتے ہیں دوستو! اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور جن کو اللہ نے اپنا درد دیا ہے ان کی صحبت میں بیٹھنا اور اس کی محبت کی دعا مانگنا۔۔۔ یہ چار باتیں ہیں دوستو یاد رکھنی چاہئیں۔۔ ذکر و فکر و صحبت اور دعا۔ اللہ سے دعا کرنا۔ اللھم انی اسئلک حبک اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کی بھیک مانگتا ہوں۔ وحب من یحبک اور جن جن کو تو نے اپنا درد دے رکھا ہے ان کی محبت عطا کر کہ ان کے پاس جایا تو کروں۔

دوستو! محبت کے راستے میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن سے محبت کمزور پڑتی ہے۔ اللہ سے سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ سے دعا مانگتے ہیں دعا قبول نہیں ہوتی۔ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے آدمی کہنے لگ جاتا ہے کہ عجیب محبت ہے تیری کہ میری بات ہی نہیں سن رہا۔ یہ بات بھی تشریح طلب ہے کہ محبت کن باتوں سے کم ہونے لگتی ہے اور کیا تدبیر کی جائے کہ وہ کم نہ ہو۔ دوستو! کبھی ایسا ہوتا ہے انسان دعا مانگتا ہے قبول نہیں ہوتی۔ وہ کہنے لگ جاتا ہے کیوں قبول نہیں ہوتی۔ بعض تو زبان سے شکوے شکایتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ بعض کی زبان تو چپ ہوتی ہے مگر دل بدگمان ہو جاتا ہے۔ اس کی جہالت ہے جیسے کوئی بچہ ہو اور وہ دہکتے ہوئے انگارون کی طرف بار بار لپکے اور ماں کی مامتا بیچ میں حائل ہو وہی مامتا جو اس کی ہر نامعقول بات مانتی ہے اور باپ کے علی الرغم مانتی ہے وہ بیچ میں حائل ہو جاتی ہے اور انگاروں تک نہیں پہنچنے دیتی ایسا بھی ہوتا

ہے کہ انسان دہکتے ہوئے انگاروں کو موتی سمجھتا ہے اور مانگتا چلا جاتا ہے اس وقت اللہ کی شفقت بیچ میں حائل ہوتی ہے۔ انسان اندھا ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کو ظالم سمجھتا ہے کہ انگارے اتنے خوبصورت ہیں وہ مجھے کیوں پکڑنے نہیں دیتی۔

دوستو! دعا کی عدم قبولیت کی حقیقت یہی ہے اور میں نے کئی دفعہ اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس وقت آدمی سوچتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا مجھے اس مصیبت سے نجات دی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے دوستو! ایک درویش آدمی دعا مانگتا ہے کئی برس گذر جاتے ہیں دعا قبول نہیں ہوتی اور حقیقت میں اس دعا کا قبول نہ ہونا اللہ کی اس آدمی پر اتنی بڑی رحمت ہوتی ہے کہ وہ تمام ولایت کے درجات ان سالوں میں ہی طے کرتا ہے اور صرف دعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ سے طے کر جاتا ہے جم کر دعا روز مانگتا ہے۔ عبدیت اور بندگی کی مہریں اس کے وجود پر ثبت ہوتی چلی جاتی ہیں اور اللہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو کہ دعا قبول نہیں ہے مگر پھر بھی وہی حسن ہے وہی عاجزی ہے وہی نیاز ہے۔ پھر وہ مجھ ہی سے مانگتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ میں اسے دوں گا۔ کتنے انبیاء ہیں کہ سالہا سال ان کی دعا قبول نہ ہوئی۔ وہ قرب کی منزلیں محض دعا کی قبولیت روک کر تیزی سے طے کرواتا چلا جاتا ہے۔ جب آدمی کی آنکھ کھلتی ہے تو کہتا ہے تو نے بڑا کرم کیا۔ اگر چند سال پہلے قبول ہو جاتی تو آج وہیں بیٹھا ہوتا۔ یہ منزلیں طے نہ کر سکتا۔ دوستو! یہ سوئے ظن ناپختگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی کوئی بیماری ہوتی ہے وہ دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ یہ بیماری دور ہو جائے وہ دور نہیں ہوتی۔ پھر سوئے ظن پیدا ہوتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ آدمی مفلس ہوتا ہے۔ دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ میری مفلسی دور کر دے۔ دولت دے۔ دولت نہیں ملتی۔ پھر سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔

شرح السنہ میں علامہ بغویؒ نے حدیث قدسی لکھی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں۔

ان من عبادی من لا یصلحه الا الفقر ولو اغنیته لا فسده ذالک میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کو افلاس ہی راس آتا ہے اور افلاس ہی سیدھا رکھتا ہے (جب تک فقر کی حالت میں رہے اسے میری طرف رجوع رہتا ہے۔ اس کی طبیعت ہی ایسی ہے) اگر میں اسے تونگر کر دیتا یہ اپنے مقام سے گر جاتا۔ **وان من عبادی من لا یصلحه الا الغنی** میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر میں نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہوں تو وہ میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر میں نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہوں تو وہ میری طرف رجوع رکھتے ہیں۔ **ولو افقرته لا فسده ذالک** اگر میں انہیں قلاش کر دوں تو وہ ملحد ہو جائیں اور زندیق ہو جائیں۔ مجھے گالیاں دینے لگیں۔ میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں بیماری ہی ٹھیک رکھتی ہے اور میری طرف رجوع رکھتے ہیں اگر میں انہیں تندرست کر دوں تو وہ میری طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیں، امام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور اس سے استشہاد کیا ہے۔

آپ نے غور کیا کہ سوئے ظن کی وجہ عقل کی ناپختگی ہے۔ یہی وجہ ہے آپ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کی تربیت حضور علیہ السلام نے فقر کے راستے سے کی۔ بعض لوگوں کی تربیت نعمتوں اور نوازشوں کے راستے سے کی۔ یہی حال پیغمبروں کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی تربیت صبر کے راستے سے کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی تربیت صبر کے راستے سے کی۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر نعمتوں کی بوچھاڑ

کی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مختلف انسانوں کی تربیت کس طرح مختلف طریقوں سے کی۔ حضرت بلال ؓ کھجوریں کھا رہے ہیں اور کچھ لپیٹ کر رکھ رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا بلال ؓ کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا حضرت ﷺ کچھ کھجوریں رکھ دی ہیں۔ پھر کام آ جائیں گی فرمایا۔ انفق یا بلال فقیر ہو کر کھجوریں رکھ رہے ہو۔ ولا تخش من ذی العرش اقلالا اس عرش والے سے تجھے مفلسی کا ڈر ہوا ہے؟ جاؤ انہیں خرچ کر دو یہ فقیری کے منافی ہے کہ انہیں لپیٹ کے رکھ دو۔ یہ بات عثمان غنی ؓ سے کبھی نہ کہی۔ عبدالرحمن بن عوف ؓ سے کبھی نہ کہی۔ ان کا راستہ دوسرا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث سے وضاحت ہوئی جو میں نے ابھی پڑھی۔ یہی شیخ کا کام ہے دوستو! وہ سمجھتا ہے کہ اس آدمی کو کس راستے سے لے جانا ہے۔ سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکنا ہے۔ کسی کو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی راہ سے لے جاتا ہے کسی کو بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے راستے سے لے جاتا ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ظن ایسے ہی ہے۔ جیسے بچہ نادانی کی بنا پر اپنی ماں کی ممتا پر شک کرنے لگ جاتا ہے اور اگر ہزاروں ماؤں کی ممتاؤں کو اکٹھا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر سوء ظن نہ ہو تو محبت تیز تر ہوتی رہتی ہے اور محبت کے ساتھ ہی دوستو! یہ گاڑی چلتی ہے اور دین کا سارا کاروبار محبت ہی سے چلتا ہے۔ یہ فنی تخلیق کا ظہور بھی عشق ہی سے ہو رہا ہے۔ کبھی عشق حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ و بوصیری ؒ اور کعب بن زبیر ؓ کے شعروں میں ڈھلا اور وہ بھی عشق ہی ہے جو خواجہ معین الدین چشتی ؒ، حضرت امیر الدین خسرو ؒ کے شعروں میں ڈھلا اور یہ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ کا لٹریچر۔ یہ ضخیم جلدیں۔ جو ان ضخیم جلدوں کی تحریر کا محرک ہوا۔

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین ؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

کبھی عشق پھانسیوں پر لٹکتا ہے اور جو رقص حسین ابن علی ؓ نے میدان کربلا میں کیا وہ بھی عشق ہی کا ایک ظہور تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنا عشق عطا فرمائیں اپنا درد عطا فرمائیں اور اس درد کو عمل کا خوگر بنائیں۔ اتباع رسول ﷺ کا محرک بنائیں کہ اصل مقصد تو محبت کا یہ ہے کہ عمل ہو اتباع رسول ﷺ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی محبت مومنوں کے جی میں تمام محبتوں پر غالب ہوتی ہے۔ قرآن حمید نے کہا قل ان کان اباء کم و ابنائوکم

آپ ان سے کہہ دیجئے تمہارے آباو اجداد تمہارے بھائی بندے، تمہاری بیویاں۔ یہ مال جو تم نے کما رکھا ہے، یہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں کھٹکا لگا رہتا ہے، یہ عمارتیں، یہ بود و باش کی جگہیں جو تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تمہیں زیادہ پیاری ہیں تو۔ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ تم انتظار کرو حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نازل کرے۔ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین فرمایا وہ لوگ سرکش ہیں، نافرمان ہیں اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ وہ تمام کمزوریاں انسان کی جو توحید کے

CamScanner

بارے میں ہو سکتی ہیں انہیں بیان فرمایا کہ دیکھو کبھی اللہ کی محبت کی ٹکر باپ دادا کی محبت سے ہو سکتی ہے کبھی برادری کی محبت سے ہوتی ہے۔ برادری کی ریتوں سے ٹکر ہوتی ہے۔ کبھی بیویوں کی خواہشات سے اللہ کی محبت کا تصادم ہوتا ہے کبھی تجارت کے فروغ کے تقاضے کچھ طالب ہوتے ہیں اور کتاب اللہ کا حکم کچھ ہوتا ہے۔ اسی طرح پھر کبھی ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور آدمی عمارتوں کی طرف دیکھتا ہے کہ اللہ کے لئے ان کو کیسے چھوڑوں۔ یہاں دونوں باتوں کا ذکر فرمایا احب الیکم من اللہ و رسولہ معلوم یہ ہوا کہ اللہ کی محبت کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا تصادم ہو جائے' ٹکراؤ ہو جائے تو دنیا کی تمام چیزوں کو انسان حضور ﷺ کی محبت کی خاطر چھوڑ سکے۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ حضور ﷺ کی محبت بھی جزو ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ تک پہنچتے ہیں کچھ طالب' سالک اور عارف ایسے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تک پہنچتے ہیں۔ یہ مزاج کا اختلاف ہے اس میں جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔ جیسے رابعہ بصری ؒ تھیں۔ وہ اللہ سے حضور ﷺ تک پہنچی تھیں۔ یعنی اللہ کی معرفت پہلے حاصل ہوئی اور پھر اللہ کی معرفت سے حضور علیہ السلام کی معرفت ہوئی اور ان سے محبت اس بنا پر ہوئی کہ وہ خدا کے محبوب ہیں وہ خدا کے رسول ہیں جیسا کہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ لو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا ولکنہ اخی و صاحبی قد اتخذ اللہ صاحبکم خلیلا اگر تم لوگوں میں سے کسی کو محبوب بنانا ہوتا تو میں ابوبکرؓ کو محبوب بناتا۔ مگر وہ میرا بھائی ہے' میرا ساتھی ہے' میں یہ کیسے کہوں کہ وہ میرا محبوب ہے۔ قد اتخذ اللہ صاحبکم خلیلا اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس ساتھی کو اپنا محبوب بنا لیا ہے۔ جب اس نے مجھے اپنی محبوبیت کے لئے چن لیا ہے تو میرے لئے یہ کہاں روا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو اپنا محبوب کہوں۔

اس میں تصوف کا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ABSTRACT سے CONCRETE تک پہنچتے ہیں لوگ اس حقیقت کبریٰ سے حقیقت محمدیہ تک پہنچتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے خدا تک پہنچے' حضرت علامہ اقبال ؒ کا بھی یہی حال تھا۔ انہوں نے تو واضح طور پر فرمادیا۔

یارسول اللہ او پنہاں تو پیدائے من

اے رسول خدا تو پنہاں ہے اس کی ذات تو چھپی ہوئی ہے۔ لا تدرکہ الابصار وھویدرک الابصار آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہیں وہی ہے جو آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ لا تضربو اللہ الامثال۔۔ فرمایا اللہ کے لئے مثال بھی مت دو کہ وہ ایسا ہے وہ اس جیسا ہے' اس جیسا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔ او پنہاں و تو پیدائے من۔۔ اس کی ذات تو چھپی ہوئی ہے آپ کی ذات ظاہر و باہر ہے کہ مجھے نظر آ رہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے ذریعے سے اللہ تک پہنچنے کا راستہ آسان بہت ہے۔ اس لئے کہ ان کی صفات ظاہر ہیں ان کا وجود ظاہر ہے ان کا جسم ظاہر ہے ان کا مکھڑا ظاہر ہے ان کا ناک نقشہ ظاہر ہے' ان کے تمام اوصاف ظاہر ہیں ان کے غزوات' ان کے تمام افعال ظاہر ہیں جن کا لاکھوں انسانوں نے مشاہدہ کیا۔

سلوک کا راستہ رسول اللہ ﷺ کی محبت' ان کے عشق اور ان سے والہانہ شیفتگی ہی سے آسانی سے طے

ہوتا ہے' خود اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اسی راستے سے باسہولت ملتی ہے۔ حضور ﷺ کا عشق حضرت ابوبکرؓ سے سیکھنا چاہیے۔ وہ صدیق اکبرؓ تھے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ نبوت کے بعد صدیقیت سے اونچا کوئی مقام نہیں ہے۔ حضور ﷺ تو معصوم تھے۔ صدیق اکبرؓ غیر معصوم تھے انسان غیر معصوم ہوتے ہوئے کسی حد تک حضور علیہ السلام کی ذات' صفات اور افعال میں فنا ہو سکتا ہے۔ یہ بات صدیق اکبرؓ کی سیرت ہی سے اخذ کرنی چاہیے اس لئے ان کی شخصیت کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ تو سید الاولین و سید الاخرین تھے۔ وہ تو سرور دنیا و دین تھے وہ تو کبھی یہ بھی فرماتے تھے۔ ایکم مثلی؟ تم میں سے کون ہے جو مجھ ایسا ہے۔ تم سے یہ بات نہ ہو سکے گی' چھوڑ دو اس بات کو یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ غیر معصوم انسانوں کی آخری حد ہے جہاں تک حضرت صدیق اکبرؓ پہنچ گئے۔ اس لئے میں طالبوں سے کہا کرتا ہوں کہ ان کی سیرت کا مطالعہ غور سے کیا کرو ہماری سرحدیں تو صدیق اکبرؓ تک ہیں آگے تو وہ مقام ہے جہاں بار بار فرماتے ہیں۔ ایکم مثلی؟ تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہے صدیق اکبرؓ کو دیکھئے انہوں نے جو کچھ پایا سب آنحضرت ﷺ کی ذات میں فنا ہونے سے پایا۔ جیسا کہ "البدایہ والنہایہ" میں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں اسلام کا ابھی آغاز تھا حضور ﷺ کی معرفت جو صدیق اکبرؓ کو حاصل تھی اس کی بنا پر بار بار آنحضرت ﷺ سے کہتے ہیں کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں بتاؤں کہ آفتاب رسالت ﷺ طلوع ہو چکا ہے اور یہ آفتاب رسالت' وہ ہے جو اس سے پہلے کبھی طلوع نہ ہوا تھا اور جب یہ عالم برزخ کے افق پر چلا جائے تو پھر دنیا میں کبھی طلوع نہ ہو گا۔ مجھے خدا کے لئے اجازت دیں کہ میں یہ بات لوگوں کو بتا دوں۔

جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ اس وقت صرف اڑتالیس ۴۸ آدمی مسلمان ہوئے تھے اور حضور علیہ السلام فرماتے تھے یا ابابکر انا قلیل ابھی صبر سے کام لو ہم بہت تھوڑے ہیں۔ وہ بار بار کہتے تھے حضور ﷺ مجھے اجازت دیں' مکہ کافروں سے بھرا ہوا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پر عشق کا شدید غلبہ تھا۔ حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ نے اجازت دے دی۔ صدیق اکبرؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو بتایا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ اول من دعا الی اللہ و رسولہ کہ ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوگوں کو بلایا" فرماتے ہیں اول من وطی و ضرب فی اللہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد پہلا انسان جس کو اللہ کی خاطر روندا گیا' پیٹا گیا اور لتاڑا گیا وہ صدیق اکبرؓ تھے۔ آپ غور کریں کہ اگر جنگ کے زمانے میں ہندوستان میں آدمی کھڑا ہو کر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے تو اس کا کیا حشر ہو گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سب لوگ ٹوٹ پڑے' آپؓ کو بہت پیٹا' عتبہ بن ربیعہ نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھپڑ مارے۔ آپ بے ہوش ہو گئے۔ آپ کو گھر اٹھا کر لے گئے۔ بنو تمیم کا تمام قبیلہ اکٹھا ہو گیا۔ سب اس انتظار میں تھے یہ بہترین موقعہ ہے ابوبکرؓ کو سمجھانے کا جب اس کو ہوش آئے گا تو کہیں گے اس آدمی کے پیچھے پاگل ہو گئے' کتنے معزز آدمی تھے تم۔ اب یہ حشر ہوا تمہارا باز آ جاؤ اور اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ صدیق اکبرؓ کو جب ہوش آیا تو سب لوگوں پر نظر ڈالی اور پہلا فقرہ یہ فرمایا

این رسول اللہ و کیف رسول اللہ......؟

"حضرت ﷺ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں انہیں تو کوئی گزند نہیں پہنچی؟

ان لوگوں نے سمجھا کہ یہ شخص بالکل پاگل ہو چکا ہے تو وہ مایوس ہو گئے اور کہا اس کا SocialBycott کرنا چاہیے۔

لوگ جب چلے گئے تو ام الخیر آپ کی والدہ نے کہا بیٹا روٹی تو کھا سارے دن کے بھوکے اور پیاسے ہو۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے یہ فقرہ کہا ان للہ علی لا اذوق طعاما ولا اشرب شرابا حتی اتی رسول اللہ ماں مجھے روٹی اچھی نہیں لگتی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس کا ایک لقمہ نہیں کھاؤں گا۔ پانی کا گھونٹ میرے حلق سے نیچے نہیں اترے گا جب تک رسول اکرم ﷺ کو میں دیکھ نہ لوں۔ یہ ام الخیر سے کہا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیرت بڑے غور سے پڑھا کرو۔ بڑی لطافتیں اور باریکیاں ہیں۔ اے کاش کوئی ان باریکیوں کو نکالے، کتنے آداب ہیں عشق کے جن کو وہ ملحوظ رکھتے تھے اور تنہا ان کو ملحوظ رکھتے تھے۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ معرفت بخشی ان کی سیرت پڑھتے ہوئے۔ ان کو جو مقام صدیقیت حاصل ہوا ان میں بہت بڑا حصہ ان آداب کی لطافتوں اور باریکیوں کا ہے جو وہ بارگاہ رسالت میں ملحوظ رکھتے تھے اور بعض کو ملحوظ رکھنے میں وہ یکہ و تنہا تھے اور کوئی صحابی ان کا سہیم و شریک نہ تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام دار ارقم میں ہیں زخموں سے چور تھے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ ذرا خبر تو کرو انکو۔ میری بیمار پرسی کے لئے آئیں یہ نہیں کہا۔ ام الخیر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے اور گھسٹتے ہوئے دار ارقم میں پہنچے اس کو خلاف ادب سمجھا کہ حضور ﷺ کو کہیں میری عیادت کے لئے آؤ اس حالت میں بھی گھسٹتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ فاکب علیہ رسول اللہ (وہ تمام ماؤں کی ماں) وہ رحمۃ للعالمین ﷺ جب ابو بکرؓ آکر دار ارقم میں گر گئے تو رسول اکرم ﷺ پر جھک گئے فقبلہ ان کو چومتے تھے ورق لہ رقۃ شدیدۃ آپؐ پر شدید رقت طاری ہوئی۔ آپ پر گریہ طاری تھا اور صدیق اکبرؓ کو چومتے چلے جاتے تھے۔

دوستو! یہ ہے محبت کا غلبہ اسکے بغیر سلوک کا راستہ طے نہیں ہوتا۔ یہ معنی ہے علامہ اقبالؒ کے فرمان کا۔

یا رسول اللہ ﷺ او پنہاں و تو پیدائے من۔ تو ظاہر و باہر ہے تو ہمیں نظر آتا ہے۔

مستند مورخین نے لکھا ہے جب ابو بکرؓ ہجرت کے لئے چلے ہیں تو چلتے چلتے یکایک حضور ﷺ کے پیچھے ہو گئے، پھر یکایک ان پر کیفیت طاری ہوئی اور ان کے آگے چلنے لگے۔ کچھ دیر تو حضور ﷺ چپ رہے پھر کہا ابو بکرؓ یہ کیا کر رہے ہو کبھی آگے ہو جاتے ہو کبھی پیچھے ہٹتے ہو ابو بکرؓ کہنے لگے۔ حضور ﷺ جب مجھے خیال آتا ہے کہ کہیں دشمن آپ پر پیچھے سے حملہ آور نہ ہو تو آپؐ کے پیچھے ہو جاتا ہوں، پھر جب خیال آتا ہے کہ دشمن آگے سے حملہ آور نہ ہو جائے تو میں آپ کے آگے آجاتا ہوں تاکہ وہ مجھ کو قتل کر دیں، کہیں تیر آپ کو نہ لگ جائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں بچ جاؤں اور تمہیں قتل کر دیا جائے فرمایا خدا کی قسم یہی چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ بچ جائیں اور میں قتل کر دیا جاؤں۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ نے "سیرت المصطفیٰ" میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے تمام مستند تواریخ کے حوالے دے دیئے ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے)

کسی کے آنسوؤں پر مت جایئے کسی کی لرزش اور کپکپی پہ نہ جایئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت ایسی نہ

CamScanner

تھی کہ محض آنسوؤں سے اس کا اظہار ہوتا۔ آدمی کے برتاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی کی محبت کا درجہ حرارت کیا ہے؟ اس لئے دوستی کو بھی ہمیشہ معاملات پر پرکھا کریں اور جانچا کریں اور معاملات میں محبت کا درجہ حرارت بڑی آسانی سے متعین ہو جاتا ہے آنسوؤں پر مت جاؤ۔ بزرگوں نے کہا آنسو تو برادران یوسف علیہ السلام نے بھی بہائے تھے قرآن مجید میں لکھا ہے کہ وہ عشاء کے وقت آئے اور سب رو رہے تھے وجاتوا اباھم یبکون ۔ یہ نہیں فرمایا۔ یتباکون کہ جھوٹے آنسو بہا رہے تھے۔ سچ مچ رو رہے تھے۔ عین ممکن کہ گناہ کرنے کے بعد انہیں خجالت اور ندامت ہوئی ہو اور گنہگاروں کو بھی گناہ کرنے کے بعد خجالت ہوتی ہے اور آنسو ان کے نکل آتے ہیں مگر آنسوؤں کے نکلنے سے کسی کے اخلاق کا پتہ نہیں چلتا۔ صحابہ کرام ؓ کی زندگیاں پڑھنی چاہئیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کی محبت کا ڈھنگ کیا ہے۔ کیسے اس کا اظہار ہوتا ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ لٹایا۔ جان مال' غزوات کو پڑھیں۔ سعد بن ربیع ؓ غزوہ احد میں دم توڑ رہے تھے۔ اس وقت ان کے قبیلے کے لوگ آئے اور کہا سعد ؓ کو میرا سلام پہنچا دینا۔ لوگوں نے کہا آخری نصیحت کیا ہے؟ فرمایا کہ میرے حبیب ﷺ پر جانوں کو نچھاور کرتے رہو۔

عمارہ ؓ بن زیاد احد میں دم توڑ رہے ہیں خود حضور ﷺ تشریف لے آتے ہیں اور کہتے ہیں عمارہ ؓ کوئی آرزو ہو تو کہو؟ حضرت عمارہ ؓ اپنے زخمی جسم کو گھسیٹ کر قدموں پر رکھ دیتے ہیں اور وہیں جان دے دیتے ہیں منہ سے کچھ نہیں کہتے۔ گویا بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی آرزو ہے تو یہی کہ میرا سر ہو اور آپ کے قدم ہوں۔

چہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ وقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

عارف نے کہا۔ اس شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ دنیا سے جا رہا ہو اور اس کا محبوب اس کے سر پر کھڑا ہو اور پوچھ رہا ہو کہ بتاؤ تیری کیا آرزو ہے؟

عورتوں تک کا یہ حال تھا غزوہ احد میں ایک عورت تھی جس کو یہ خبر ملی کہ تیرا باپ شہید ہو گیا۔ تیرا خاوند شہید ہو گیا۔ تیرا بھائی شہید ہو گیا۔ تینوں لاشے پڑے ہیں وہاں سے اٹھوا لو۔ وہ پوچھتی تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ حضور ﷺ ٹھیک ہیں؟ اور جب حضور ﷺ کے چہرہ انور پر نظر پڑی تو فقرہ منہ سے نکلا جسے ہر مستند مورخ نے نقل کیا ہے اس نے وجد میں آ کر کہا۔ کل مصیبۃ بعدک جلل یہ فقرہ لافانی ہو گیا۔ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں یا رسول اللہ ﷺ یہ معنی ہیں کہ حضور ﷺ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ توفیق عطا فرمائیں کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو جائے۔ یہ سب ان کی دین ہوتی ہے' یہ عطا ہے۔ یہ بخشش ہے' وہ ہمارے سینوں کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت سے معمور فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

آنے والی صدی اسلام کی ہے

(صغریٰ خاکوانی)

موجودہ صدی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے طور پر سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی صدی کے ابتدائی عشروں میں مسلم دنیا کے مختلف ممالک کی ایک ایک کر کے غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں اور مسلمانوں نے آزادی کا سانس لیا پھر ہر مسلم ملک میں ابھری ہوئی اسلامی تحریکوں نے نئی نسل کو نہ صرف تعلیم اور شعور بخشا بلکہ اسے مذہبی بیداری اور مسلم شناخت کے راستے پر لگا دیا۔ نتیجتاً آج مغرب کی دنیا اسلام کے خوش آئند مستقبل سے لرزہ براندام ہے۔ وہ لوگ خوفزدہ ہیں کہ مسلمانوں کی نسل نو جب مجاہد و غازی بن کر اٹھے گی تو استعمار کی سازشوں کے تانے بانے بکھیر کر رکھ دے گی۔ اس لئے آج اسلامی تحریکوں کا راستہ روکنے کے لئے تمام دنیا کی طاغوتی طاقتیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ یہود و ہنود کا یہ گٹھ جوڑ اور امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر اس کی قبیح ترین مثالیں ہیں۔

مغربی میڈیا نے اسلام کے خلاف گھناؤنا پروپیگنڈہ اپنی انتہا کو پہنچا دیا ہے۔ مغربی دنیا نے اسلام کو کبھی بھی ایک نظام حیات کے طور پر تسلیم نہیں کیا۔ ان کے نزدیک اسلام کا تصور نہایت مسخ شدہ ہے جو وحشت و بربریت کے قوانین کا حامل، دہشت گردوں کا مذہب ہے جو ہمیشہ اپنوں پرایوں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ مغرب میں اسلام کا تعارف غلامی، عورتوں پر مظالم، تعدد ازواج، مرد کے مقابلے میں عورت کی نصف حیثیت، شکار اور ذبح کی صورت میں حیوانات پر ظلم اور منشیات کی تجارت جیسے عنوانات کے تحت کرایا جاتا ہے۔ آج مغرب کی استعماری قوتیں اور یہودی لابی میڈیا کو اسلام کے خلاف بہت بڑے ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہے اور غیر اسلامی افکار اور مغربی ثقافتی یلغار سے مسلمان نسل کو مرعوب اور گمراہ کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو رہی ہے۔ آج امریکہ، آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک مل کر ایک سازش کے ذریعے سودی نظام کے تحت ہمیں معاشی بدحالی کا شکار کر رہے ہیں۔ کمپیوٹر نے انٹرنیٹ سے ملا کر پوری دنیا کو ایک عالمی گاؤں (Global Village) میں بدل دیا ہے۔ نئی صدی میں داخلہ کا غلغلہ ہے۔

اسلام بھی اسی کرہ ارضی کا حصہ ہے۔ تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا کی تبدیلیوں سے اسلامی دنیا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ اس وقت پوری دنیا میں اسلام کی بیداری کی لہر پیدا ہو چکی ہے اور دنیا کے مختلف ممالک میں لوگ بے راہ روی اور بے عملی کی روش چھوڑ کر تیزی سے اسلام کی جانب

مائل اور متوجہ ہو رہے ہیں۔ ہر آنے والے دن میں ہماری تعداد بڑھ رہی ہے۔ ہماری دینی جماعتوں اور تحریکوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انفرادی طور پر ہمارے لوگوں نے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کی تلاوت میں دن رات شوق وذوق سے لگے ہوئے ہیں۔ اور قرآن فہمی کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ گھر گھر اور محلّہ محلّہ درس اور وعظ کے سلسلے شروع ہیں۔ یہ محض خوش فہمی نہیں فی الحقیقت خوش قسمتی ہے کہ دنیا میں سب اپنے پرائے آنے والی صدی کو ایک بڑی اسلامی تبدیلی کی صدی گردان رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں شمالی امریکہ کے مسلم عرب جوانوں نے الجزائر کے اسلامی مرکز میں ایک سیمینار منعقد کروایا جس کا اہم ترین موضوع تھا "اسلام کا مستقبل" اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے بڑی خوش آئند بات کہی۔

"ہمیں اپنے گرد و پیش اسلامی بیداری کی لہروں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ خود مغرب اور اس کے حواری آج اس بات سے نہایت خوفزدہ ہیں کہ اسلام آہستہ آہستہ دنیا کا پسندیدہ مذہب کیوں بنتا جا رہا ہے۔ مستقبل میں ایک عظیم اسلامی معاشرے کا قیام یقینی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ دنیا عنقریب دیکھے گی کہ اسلام دنیا کی واحد سپر پاور اور امن کا پیغام بر دین ہو گا۔ دوسرے بنیادی مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی انفرادیت' سچائی' بڑائی' سادگی اور فطری پن اسے تمام انسانیت کے لئے پسندیدہ' قابل عمل اور قابل قبول بناتا ہے"

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج مغرب کی خاندانی زندگی بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے ہر شخص صرف اپنے بارے میں سوچ رہا ہے۔ محبت اور ایثار کے انسانی جذبے ناپید ہیں یہ طرز عمل اپنے خالق کے بتائے ہوئے ضابطہ حیات سے منہ موڑنے اور من مانی کرتے ہوئے غیر فطری زندگی اختیار کرنے کا نتیجہ ہے۔ آج کی مغربی دنیا تھکی ہاری' لٹی پٹی اور بے سکون ہے۔ مادی ترقی اور تیز رفتاری کی اس دوڑ میں مسلسل مقابلے کی فضا نے انسان کو اعصاب شکستہ کر دیا ہے اور وہ بے منزل اور بے مقصد بھاگ رہا ہے۔ مشرق و مغرب کی بے چینی' بے راہ روی' عریانی' اخلاقی پستی اور مادیت پسندی کا واحد حل اسلام ہے۔

اسی صدی کے ایک ذہین و فطین انسان برناڈ شا کی پیشین گوئی ہے کہ

"مغربی دنیا اسلام کی طرف آ رہی ہے اور مستقبل میں محمد ﷺ کا دین یورپ میں مقبول ہو کر رہے گا۔ درحقیقت یہ دین آج بھی یورپ میں پسندیدہ ہے۔ دراصل قرون وسطیٰ میں عیسائی مذہبی

طبقے نے اپنی ناواقفیت یا پھر گھناؤنے تعصب کی بناء پر اسلام کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ بھیانک بنا کر پیش کیا تھا۔ میرے نزدیک یہ فرض ہے کہ محمد ﷺ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا جائے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان جیسا آدمی اگر آج دنیا کی قیادت سنبھال لے تو وہ یقیناً" ساری مشکلات کے حل میں کامیاب ہو سکے گا اور دنیا کو امن و فلاح سے بہرہ یاب کر دے گا۔ آج دنیا ان دونوں چیزوں کی کتنی زیادہ محتاج ہے"

15 دسمبر 1997ء کے امریکی ہفت روزہ "نیوز ویک" میں ایک مضمون (Alien Europe) (اجنبی یورپ) کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے ساتھ ایک مسلمان جوڑے کی تصویر دی گئی ہے۔ عورت نے سیاہ رنگ کا برقعہ پہن رکھا ہے جب کہ اس کی پانچ سالہ بچی نے سر پر سفید سکارف باندھا ہوا ہے اور اس نے اپنے ہاتھ میں قاعدہ تھاما ہوا ہے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ اس طرح کے مسلمان تیزی سے یورپ میں بڑھ رہے ہیں۔ ان کا اپنا کلچر ہے جو یورپ سے مختلف ہے چنانچہ آج کا یورپ اپنے کلچر سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے۔ مضمون نگار نے اعداد و شمار کے ساتھ مسلمانوں کا یورپی ملکوں میں تناسب بتایا ہے کہ اٹلی میں دو فیصد' جرمنی میں پانچ فیصد' پراگ میں دس فیصد' بڈاپسٹ میں 5 فیصد اور سوئزر لینڈ میں چھ فیصد مسلمان ہیں۔ فرانس جو مذہباً" کیتھولک ملک ہے وہاں مسلمانوں کی تعداد پروٹسٹنٹ عیسائیوں اور یہودیوں سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اٹلی میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن چکا ہے۔ جرمنی میں ترک مسلمانوں کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ یہی حال سپین' برطانیہ اور بیلجیم کا ہے۔ غرض وہ یورپ کہ جس نے ایک سو سال تک اپنی کالونیوں کو اپنے کلچر سے نوازا اور ایشیا اور افریقہ سے لاکھوں لوگ "مذہب اور تعلیم یافتہ" بنانے کو یورپ بھیجے آج وہی لوگ یورپ کے کلچر کے متوازی اپنے کلچر کا پورا پورا تحفظ کر کے یورپین افراد کو متاثر کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہو رہے ہیں۔ نیوز ویک کے اس مضمون (اجنبی یورپ کے وقائع نگار کرسٹو فرڈکی نے آخر میں جو نتیجہ نکالا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"یہ ہمارے شہروں میں بسنے والے مسلمان' ان کو ہم خود یہاں لائے ہیں اور اب ان کا یہاں سے نکلنا ناممکن ہے۔ یہ اپنے دین کو چھوڑنے والے نہیں۔ یہ ایک غالب عنصر ہیں۔ تہذیبوں کے تصادم میں مسلمان تہذیب مارکیٹ کی تہذیب ہے اور مارکیٹ میں وہی چیز مقام بناتی ہے جو اعلیٰ ہو۔ یہ یورپ کے مستقبل کی تہذیب ہے اور یہ یورپ کا آئندہ دین ہے۔ یورپ کا چہرہ بدل رہا ہے اور مستقبل میں یہ چہرہ ایک اسلامی چہرہ ہو گا" (انشاء اللہ)

امریکہ میں مقیم مسلم خواتین کی انجمنوں کی تعداد میں تقریباً چھ گنا اضافہ ہو گیا ہے اور یہ انجمنیں امریکی معاشرے میں بدکرداری اور اخلاقی پستی جس انتہا کو جا پہنچی ہے وہاں کے لوگ خود اس سے عاجز و بیزار ہیں چنانچہ ایڈز کے خدائی عذاب نے ان کی اس حد تک آنکھیں کھول دی ہیں کہ آج بعض ریستورانوں میں ایسے نوٹس (Notice) لگے عام نظر آتے ہیں کہ "نیم برہنہ" اور عریاں خواتین کا داخلہ بند ہے" نیز اخباروں میں ایسی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ 1994ء کے صرف ماہ اگست میں دو ہزار نوجوان طالبات نے بے حیائی اور بدکرداری سے پرہیز کی قسم کھائی ہے۔ لاکھوں والدین نے اپنی بیٹیوں کو حیا کی نشانی کے طور پر انگوٹھیاں خرید کر پہنائیں اور حلف لیا کہ وہ باعصمت رہیں گی۔ آج ان کے ہاتھوں میں پہنی یہ انگوٹھیاں ان کی شرافت کی دلیل اور خود ان کے لئے باعث فخر ہیں۔

امریکہ کی بات ہو رہی ہے تو میں یہاں امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کے پڑپوتے جارج اشتون کے قبول اسلام کی ایمان افروز واردات قلبی کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں جو انہوں نے سعودی انگریزی سروس کے سامنے بیان کی تھی۔ فرماتے ہیں۔

میری افغانستان میں بطور صحافی کیمرہ مین کے مشہور رسالہ (Times) کی طرف سے تعیناتی ہوئی۔ وہاں میں نے عام افغان مجاہدین کے اندر جو اسلامی روح محسوس کی اس نے مجھے متحیر کر کے رکھ دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ عین معرکہ جنگ میں وقت آنے پر نمازوں کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کے لئے ہم یہ عبادت کرتے ہیں۔ جب میں انہیں جوش و جذبے کے ساتھ جہاد کرتے دیکھتا کہ نہتے ہوتے ہوئے بھی وہ ایک بڑی فوجی طاقت کے ساتھ لڑ رہے ہیں تو میں اپنے دل میں کہا کرتا کہ یہ لوگ کمزور اور نہتے ہونے کے باوجود اپنے طاقتور دشمن پر یقیناً فتح و غلبہ حاصل کر لیں گے۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں وہ ایمان موجزن ہے جس سے روسی فوج محروم ہے۔ میں نے قیام افغانستان کے دوران احادیث نبوی ﷺ کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ "وہ اپنے ایمان کی بدولت کامیاب و کامران ہوں گے" اور ہوا بھی یہی کہ ایمان کی قوت سے افغان مجاہدین بالاخر جدید ترین جنگی ساز و سامان سے لیس روسی فوج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے"

"سنڈے ٹیلی گراف" میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے مطابق 1989ء سے 1998ء تک برطانیہ میں بیس ہزار لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان میں ایک سینئر جج لارڈ جسٹس اسکارٹ

کا صاحبزادہ اور صاحبزادی اور ممتاز برطانوی شخصیت سر ولیم ویلکس کا بیٹا میتھیو ویلکنس بھی شامل ہیں۔ برطانیہ کے ایک مشہور و معروف گلوکار اور موسیقار کیٹ اسٹیونز کے قبول اسلام کا تذکرہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔ انہوں نے جب قرآن پڑھا تو وہ ان کے دل میں اترتا چلا گیا اور جب سورہ یوسف پڑھی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ سورہ یوسف کے مرکزی کردار حضرت یوسف علیہ السلام کے نام پر اپنا نام یوسف اسلام رکھا۔ وہ اب بھی گاتے ہیں لیکن اب صحرائی پس منظر میں "طلع البدر علینا" جیسی نعمت یا پھر اسلام کی عظمت کے گیت گاتے ہیں۔ شاعری بھی ان کے اپنے دل کی آواز ہوتی ہے۔ انہوں نے بوسینا کے مظلوموں پر بھی بہت درد انگیز گیت لکھے ہیں۔ آج یوسف اسلام' اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے تعلیمی تبلیغی اور تدریسی میدان میں بھی بہت موثر اور مفید کام کر رہے ہیں۔

برطانیہ کی بات ہو رہی ہے تو یہاں کی ویلز یونیورسٹی کے اسلامک سنٹر فار سٹڈ لندن کے ڈائریکٹر کا ذکر ضروری ہے جو اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ برطانوی خواتین اتنی تیزی سے اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں۔ اب تک محققین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام قبول کرنے والی خواتین اکثر متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہیں اور ملازمت پیشہ ہیں۔ اسلام قبول کرنے والی خواتین کے خلاف حکومتی کاروائیوں کے باوجود نو مسلم خواتین ملازمتوں سے فراغت تو قبول کر لیتی ہیں مگر اسلام چھوڑنے کا ذکر تک سننا گوارہ نہیں کرتیں۔

اٹلی یورپ ہی کا ایک اہم ترین ملک اور کیتھولک عیسائی فرقے کا گڑھ ہے۔ اس کے دارالخلافہ روم میں جہاں ویٹی کن سٹی اور پوپ پال کی رہائش گاہ موجود ہے اسلامک سنٹر کا افتتاح ریاض کے گورنر شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز نے اٹلی کے صدر کے ہاتھوں کروایا اور افتتاح کے موقع پر ویٹی کن سٹی کے ایک نمائندے کی شرکت پوری دنیا کے لئے ایک حیران کن خبر تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ موتمر عالم اسلامی اس قسم کے اسلامک سنٹر ہالینڈ' بیلجیم' جنیوا اور میڈرڈ میں بھی قائم کر چکی ہے۔

فرانس میں 1991ء سے مسلم طالبات اور فرانسیسی حکومت کے درمیان سکارف اور حجاب کا مشہور جھگڑا مدتوں عدالتوں کی رونق اور اخباروں کی زینت بنتا رہا۔ آخر ہیومن رائٹس کمیشن عدالت حرکت میں آئی اور عدالت سے مسلم طالبات کو مذہبی آزادی کا حق دلوانے میں کامیاب رہی۔ اب فرانس میں 1991ء والی کیفیت نہیں یہاں اسلام کا کارواں بڑی تیزی کے ساتھ رواں

رواں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ فرانس کی سرزمین نے مسلمانوں کے لئے اپنی بانہیں پھیلا دی ہیں۔ آج فرانس میں اسکارف اور حجاب مسلم خواتین کا امتیازی نشان ہے اور حکومت کے معاندانہ رویہ کے باوجود خواتین اسلام کے اس عالمی قافلے میں جوق در جوق شریک ہو رہی ہیں۔ میرے سامنے تبلیغی جماعت کی ایک خاتون نے اپنے دورہ فرانس کا ذکر کرتے ہوئے حلفیہ بتایا کہ ہماری تبلیغ سے متاثر ہو کر صرف ایک دن میں ایک سو خواتین نے برقعے سلوا لئے تھے اور شرعی پردہ بخوشی اختیار کر لیا تھا۔

جرمنی کی برلن یونیورسٹی کی شعبہ سوشل سٹڈیز کی طالبہ اریکہ سیفرٹ جن کا اب اسلامی نام رقیہ ہے اپنے قبول اسلام کی وجہ یوں بیان کرتی ہیں۔

"میں اس لئے مسلمان ہوئی کہ یورپی طرز زندگی سے میں بیزار ہو چکی تھی۔ یورپی زندگی خصوصاً" خواتین کے لئے انسانی فطرت کے قطعاً" خلاف ہے۔ یورپ میں عورت کو صرف فیشن کی حیثیت سے قبول کیا جاتا ہے یہاں سیرت سے زیادہ صورت کو اہمیت حاصل ہے۔ یورپین معاشرے میں دولت خدا ہے میرے خیال میں اسلام فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں نے امت مسلمہ کا ایک فرد بننے کا فیصلہ کیا۔ نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں ہمارے تمام مسائل کا حل موجود ہے"

یورپ اور امریکہ کی بات ہو چکی اب آتے ہیں مشرق بعید کے ممالک کی طرف اور جاپان سے شروع کرتے ہیں جاپان میں مختلف اسلامی جماعتیں تبلیغی جماعت سمیت دعوت دین کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کی رپورٹ کے مطابق جاپانی مردوں کی نسبت قبول اسلام میں جاپانی پڑھی لکھی خواتین زیادہ مائل ہیں۔ سعودی ڈاکٹر صالح مہدی کے مطابق جنہوں نے کئی مرتبہ جاپان کا دورہ کیا "جاپان کا سب سے بڑا مذہب شنٹو ازم ہے جس کی پھر کئی شاخیں ہیں جن میں ایک اومونو کیو ہے یہ فرقہ اسلام سے بہت حد تک قریب اور توحید پر ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے لوگ اسلام سے بہت جلد متاثر ہوتے ہیں اور دعوت و تبلیغ سن کر فورا" اسلام قبول کر لیتے ہیں۔"

ہانگ کانگ میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار ہے۔ ان میں زیادہ تر چینی مسلمان ہیں اس شہر میں چھ بڑی مساجد اور ایک عظیم الشان اسلامک سنٹر ہے جو وہاں کے لوگوں میں اسلام کے فہم و تعلیم کو عام کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

جنوبی کوریا میں اسلام کی نشرو اشاعت کا کام بڑی تندہی سے ہو رہا ہے۔ وہاں اسلام قبول کرنے

والے نومسلم اس کام کو آگے بہت بڑھا اور پھیلا رہے ہیں اس سلسلے میں عائشہ کم کے تاثرات پڑھیئے۔ فرماتی ہیں۔

"اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے قبول اسلام کے بعد مجھے اپنی ساری صلاحیتیں دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کر دینے کی توفیق عطا کر دی۔ میں نے کوشش کی کہ ہر تعلیم یافتہ خاتون تک اسلام کا پیغام پہنچا دیا جائے اور میری کوششیں توقع سے کہیں بڑھ کر بار آور ثابت ہوئیں اور خواتین کی بہت بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ خصوصاً کالجوں اور یونیورسٹی کی طالبات سے میں نے تسلسل کے ساتھ رابطہ رکھا اور وہ بہت مفید ثابت ہوا۔ میں خواتین کو بتاتی کہ اسلام عورت کو کیا مقام اور حیثیت دیتا ہے کس طرح خاندانی نظام کی حفاظت کرتا ہے اور میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کی تاکید کرتا ہے"

فلپائنی اداکار رابن کا قبول اسلام بھی اس ملک کے اخباروں میں نمایاں مقام لے رہا ہے۔ آج کل رابن اسلحہ رکھنے کے جرم میں قید کاٹ رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ "اسلام نے مجھے جذباتی اور روحانی طور پر مزید مستحکم بنا دیا ہے۔ اس سال میں نے جیل میں پہلی بار رمضان کے روزے رکھے"۔ اداکار رابن نے فلپائنی عوام سے کہا ہے کہ وہ اسلام کو بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔

آخر میں مسلمان برادر ملک ترکی کا تذکرہ کرنا ہرگز نہ بھولوں گی جس میں اسلامی خلافت کے خاتمے کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا سیکولر راہوں پر چل نکلا اور عربی رسم الخط' عربی میں نماز اور قرآن کی تلاوت یہاں تک کہ عربی میں اذان تک ممنوع قرار دے دی لیکن وہ مسلم ترکوں کے دلوں اور نئی نسلوں سے اسلام کو نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسلامی تحریک بتدریج وہاں پھیلتی رہی اور آج کل وہاں ایک مثبت تبدیلی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ ترکی حجاج کی تعداد میں روز بروز اضافہ اور برادر مسلم ممالک کے عوام سے ترکوں کی والہانہ محبت اسلامی انقلاب کی آمد کا پتہ دیتی ہے۔ استنبول' ترکی کا دارلحکومت ایک نئی سحر کی نوید دے رہا ہے۔ یہ عظمت اسلام کی سحر ہے آج بھی استنبول کی دیواروں پر کبھی کبھار ابھرتی یہ تحریر نہایت امید افزا ہے کہ "ترکی اسلام کا تھا' اسلام کا ہے اور اسلام کا رہے گا" گزشتہ الیکشن میں اسلامی مزاج و فکر رکھنے والی رفاہ پارٹی کی کامیابی نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ آج کی سیکولر ذہن رکھنے والی حکومت نے حجاب اور داڑھی کو یونیورسٹی کی سطح پر ممنوع قرار دیا تو طلبہ کے احتجاجی مظاہروں اور ہڑتالوں نے حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور اب اسلام پسند طلبہ کو بھی ترکی کی یونیورسٹیوں میں داخلہ مل سکتا ہے۔ سیاسی مبصرین ان حالات سے یہ

ہو گا۔

اندازہ لگانے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اب ترکی میں اسلامی تحریک کا روکنا ناممکنات میں سے ہو گا۔
مضمون کی طوالت کے پیش نظر دیگر برادر اسلامی ممالک کا مختصراً ذکر کرتی ہوں۔ الجزائر،
سوڈان اور مصر میں آئے دن اسلام پسند عناصر کی سینکڑوں کی تعداد میں اپنوں کے ہاتھوں ہلاکت سے
اتنا تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہاں اسلامی تحریکیں کس جذبہ صادق کی حامل ہیں اور ایثار و قربانی کے
کس مقام بلند پر جا پہنچی ہیں جس کے بعد کامیابی قدم چومتی ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

قرآن حکیم میں اللہ کا وعدہ تکمیل ایمان کی شرط کے ساتھ پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین اور کتب احادیث میں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں دنیا کے خاتمے سے قبل پورے کرہ ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قیام کی خوشخبری ملتی ہے۔
الغرض دنیا کی موجودہ فرسٹریشن اور اعصابی و اخلاقی بیماریوں کا علاج اسلام ہے۔ اسلام میں ہی نفرت و جنگ کی آگ کے دہانے پر کھڑی انسانیت کے لئے امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ اسلام ہی آج کی پیاسی روحوں کے لئے چشمہ آب حیات ہے اور تپتے صحرا کے مسافروں کے لئے واحد گلستان۔ بقول علامہ اقبالؒ

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے!

(بشکریہ ماہنامہ میثاق)

اہل تصوف اور دینی جدوجہد

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

دنیا میں بہت سی چیزیں بعض خاص اسباب کی بناء پر بغیر علمی تنقید و تحقیق کے تسلیم کرلی جاتی ہیں اور ان کو ایسی شہرت و مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اگرچہ ان کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی مگر خواص بھی ان کو زبان و قلم سے بے تکلف دہرانے لگتے ہیں۔ انہی مشہورات بے اصل میں سے یہ بات بھی ہے کہ تصوف، تعطل و بے عملی حالات سے شکست خوردگی اور میدان جدوجہد سے فرار کا نام ہے۔ لیکن عقلی و نفسیاتی طور پر بھی اور عملی اور تاریخی حیثیت سے بھی ہمیں اس دعوے کے خلاف مسلسل طریقہ پر داخلی و خارجی شہادتیں ملتی ہیں۔

سیرت سید احمد شہید" میں تزکیہ و اصلاح باطن کے عنوان کے ماتحت خاکسار راقم نے حسب ذیل الفاظ لکھے تھے، جس میں آج بھی تبدیلی کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی اور اس حقیقت پر پہلے سے زیادہ یقین پیدا ہو گیا ہے۔

"یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب و فتح و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت، جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاص و للہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جنہوں نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے ہیں، ان میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ ان آخری صدیوں پر نظر ڈالیے۔ امیر عبدالقادر الجزائری، مجاہد جزائر، محمد احمد السودانی (مہدی سوڈانی) سید احمد شریف السنوسی (امام سنوسی) کو آپ اس میدان کا مرد پائیں گے۔ حضرت سید احمد ایک مجاہد قائد کے علاوہ اور اس سے پہلے ایک عزیز القدر روحانی پیشوا اور بے مثل شیخ الطریقت تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدات و ریاضیات، تزکیہ نفس اور قرب الٰہی سے عشق الٰہی اور جذب و شوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے۔

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں......

اس لئے روحانی ترقی اور کمال باطنی کا آخری اور لازمی وجہ شوق شہادت ہے اور مجاہدے کی تکمیل جہاد ہے۔ نفسیاتی پہلو سے غور کیجئے گا تو معلوم ہو گا کہ یقین اور محبت ہی وہ شہپر ہیں' جن سے جہاد و جدو جہد کا شہباز پرواز کرتا ہے' مرغوبات نفسانی' عادات و مالوفات مادی مصالح و منافع' اغراض و خواہشات کی پستیوں سے وہی شخص بلند ہو سکتا ہے اور لکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ کے دام ہمرنگ زمین سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس میں کسی حقیقت کے یقین اور کسی مقصد کے عشق نے پارہ کی "تقدیر سیمابی" اور تجلیوں کی بے تابی پیدا کر دی ہو۔

انسانی زندگی کا طویل تجربہ ہے کہ محض معلومات و تحقیقات اور مجرد قوانین و ضوابط اور صرف نظم و ضبط' ایثار و قربانی کی طاقت و آمادگی پیدا کرنے کے لئے بھی کافی نہیں ہے۔ اس کے لئے اس سے کہیں زیادہ گہرے اور طاقتور تعلق اور ایک ایسی روحانی لالچ اور غیر مادی فائدہ کے یقین کی ضرورت ہے کہ اس کے مقابلہ میں زندگی بار دوش معلوم ہونے لگے۔ کسی ایسے ہی موقع اور حال میں کہنے والے نے کہا تھا۔

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جاں فزا سے سر وبال دوش ہے

اس لئے کم سے کم اسلام کی تاریخ میں ہر مجاہدانہ تحریک کے سرے پر ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے جس نے اپنے حلقہ مجاہدین میں یقین و محبت کی یہی روح پھونک دی تھی اور اپنے یقین و محبت کو سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں تک منتقل کر کے ان کے لئے تن آسانی اور راحت طلبی کی زندگی دشوار اور پامردی اور شہادت کی موت آسان و خوشگوار بنا دی تھی اور ان کے لئے جینا اتنا ہی مشکل ہو گیا تھا' جتنا دوسروں کے لئے مرنا مشکل تھا' یہی حلقہ دا امام وقت ہے جس کے متعلق اقبال مرحوم نے کہا ہے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کے رخ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

معمولی و معتدل حالات میں قوموں کی قیادت کرنے والے ' فتح و نصرت کی حالت میں لشکروں کو لڑانے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں ' اس کے لئے کسی غیر معمولی یقین و شخصیت کی ضرورت نہیں ' لیکن مایوس کن حالات اور قومی انتشار کی کیفیات میں صرف وہی مرد میدان حالات سے کش مکش کی طاقت رکھتے ہیں جو اپنے خصوصی تعلق باللہ اور قوت ایمانی و روحانی کی وجہ سے خاص یقین و کیفیت عشق کے مالک ہوں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے تاریک وقفے آئے کہ ظاہری علم و حواس و قوت مقابلہ نے جواب دیدیا اور حالات کی تبدیلی امر محال معلوم ہونے لگی تو کوئی صاحب یقین و صاحب عشق میدان میں آیا ' جس نے اپنی "جرات رندانہ" اور کیفیت عاشقانہ سے زمانہ کا بہتا ہوا دھارا بدل دیا۔ اور اللہ تعالی نے یخرج الحی من المیت اور یحیی الارض بعد موتھا کا منظر دکھا دیا۔

تاتاریوں نے جب تمام عالم اسلام کو پامال کر کے رکھ دیا ' جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا تو تمام عالم اسلام پر یاس و مردنی چھا گئی۔ تاتاریوں کی شکست ناممکن الوقوع چیز سمجھی جانے لگی اور یہ مثال زبان و ادب کا جزو بن گئی کہ (اگر تم سے کوئی کہے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی یقین نہ کرنا) اس وقت کچھ صاحب یقین و صاحب قلوب مردان خدا تھے جو مایوس نہیں ہوئے اور اپنے کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ تاتاری سلاطین کو مسلمان کر کے صنم خانہ سے کعبہ کے لئے پاسبان مہیا کر دیئے۔

ہندوستان میں اکبر کے دور میں ساری سلطنت کا رخ الحاد و لادینیت کی طرف ہو گیا۔ ہندوستان کا عظیم ترین بادشاہ ایک وسیع و طاقتور سلطنت کی پورے وسائل و ذخائر کے ساتھ اسلام کا امتیازی رنگ مٹانا چاہتا تھا۔ اس کو اپنے وقت کے لائق ترین و ذکی ترین افراد اس مقصد کی تکمیل کے لئے حاصل تھے۔ سلطنت میں ضعف و پیرانہ سالی کے کوئی آثار ظاہر نہ تھے کہ کسی فوجی انقلاب کی امید کی جا سکے۔ علم و ظاہری قیاسات کسی خوشگوار تبدیلی کے امکان کی تائید نہیں کرتے تھے۔ اس وقت ایک درویش بے نوا نے تن تنہا اس انقلاب کا بیڑہ اٹھایا۔ اور اپنے یقین و ایمان ' عزم و توکل اور روحانیت و للہیت سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنت

مغلیہ کا ہر جانشین اپنے پیشرو سے بہتر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اکبر کے تحت سلطنت پر بالا خر محی الدین اورنگ زیب نظر آیا۔ اس انقلاب کے بانی امام طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ تھے۔

انیسویں صدی عیسوی میں جب عالم اسلام پر فرنگی "تاتاریوں" یا مجاہدین صلیب کی یورش ہوئی تو ان کے مقابلہ میں عالم اسلام کے ہر گوشہ میں جو مردان کار سر سے کفن باندھ کر میدان میں آئے۔ وہ اکثر و بیشتر شیوخ طریقت اور اصحاب سلسلہ بزرگ تھے' جن کے تزکیہ نفس اور سلوک راہ نبوت نے ان میں دین کی حمیت' کفر کی نفرت' دنیا کی حقارت اور شہادت کی موت کی قیمت دوسروں سے پیدا کر دی تھی۔ الجزائر (مغرب) میں امیر عبد القادر نے فرانسیسیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور 1832 سے 1847ء تک نہ خود چین سے بیٹھے نہ فرانسیسیوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔ مغربی مورخین نے ان کی شجاعت عدل و انصاف' نرمی و مہربانی اور علمی قابلیت کی تعریف کی ہے۔

یہ مجاہد ذوقاً" و عملاً" صوفی اور شیخ طریقت تھا' امیر شکیب ارسلان نے ان الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

وكان المرحوم الامير عبد القادر متضلعا من العلم والادب سامي الفكر راسخ القدم في التصوف لا يكتفي به نظرا حتى يمارسه عملا ولا يحن اليه شوقا حتى يعرفه ذوقا وله في التصوف كتاب سما (المواقف) فهو في هذا المشرب من الافراد لا فذاذ بما لا يوجد نظيره في المتاخرين

"امیر عبد القادر مرحوم پورے عالم و ادیب' عالی دماغ اور بلند پایہ صوفی تھے' صرف نظری طور پر نہیں بلکہ عملاً" اور ذوقاً" بھی صوفی تھے' تصوف میں ان کی ایک کتاب (المواقف) ہے۔ وہ اس سلسلے کے یکتائے روزگار لوگوں میں سے تھے اور ممکن ہے کہ متاخرین میں ان کی نظیر دستیاب نہ ہو سکے"

دمشق کے زمانہ قیام کے معمولات و اوقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

وكان كل يوم يقوم الفجر ويصلي الصبح في مسجد قريب من داره في محله العمارة لا يتخلف عن ذلك الا لمرض وكان يتهجد الليل ويمارس في رمضان الرياضته على

طریقتہ الصوفیہ ومازال مثالا للبر والتقوی والا خلاق الفاضلہ الی توفی رحمہ اللہ 1883

"روزانہ فجر کو اٹھتے صبح کی نماز اپنے گھر کے قریب کی مسجد میں جو محلہ العمارہ میں واقع ہے' پڑھتے' سوائے بیماری کی حالت کے کبھی اس میں ناغہ نہ ہوتا' تہجد کے عادی تھے اور رمضان المبارک میں حضرات صوفیہ کے طریقہ پر ریاضت کرتے' برابر سلوک و تقویٰ اور اخلاق فاضلانہ پر قائم رہتے ہوئے 1883ء میں انتقال کیا"

1813ء میں طاغستان پر جب روسیوں کا تسلط ہوا تو ان کا مقابلہ کرنے والے نقشبندی شیوخ تھے جنہوں نے علم جہاد بلند کیا اور اس کا مطالبہ اور جدوجہد کی کہ معاملات و مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہوں اور قوم کی جاہلی عادات کو ترک کر دیا جائے' امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں۔

وتولی کبر الشورہ علماء ھم و شیوخ الطریقہ النقشبندیہ المنتشرۃ ھناک وکانھم سبقوا سائر المسلمین الی معرفہ کون ضررھم ھو من امرائھم الذین اکثرھم یبیعون حقوق الامہ بلقلب ملک اوامیر وتبو کرسی و سریر ورفع علم کاذب ولذۃ فارغہ باعطاء اوسمہ ومراتب فثاروامنز ذلک الوقت علی الامر وعلی الروسیہ حامیتھم وطلبوا ان تکون المعاملات وفقا لا اصول الشریعہ لا للعادات القدیمہ الباقیہ من جاھلیہ اولئک الاقوام وکان زعیم تلک الحرکتہ غازی محمد الذی یلقبہ الروس بقاضی ملاء وکان من العلماء المتبجرین فی العلوم العربیہ ولہ تالیف فی وجوب نبذ تلک العادات القدیمہ المخالفہ للشرع اسمہ اقامہ البرھان علی ارتداد عرفاء طاغستان

اس جہاد کے علمبردار طاغستان کے علماء اور طریقہ نقشبندیہ کے (جو طاغستان میں پھیلا ہوا ہے) شیوخ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حقیقت کو عام مسلمانوں سے پہلے سمجھ لیا تھا کہ اصل نقصان حکام سے پہنچتا ہے جو خطابات' عہدہ و اقتدار جھوٹی قیادت و سرداری' عیش و لذت اور تمغوں اور مرتبوں کی لالچ میں قوم فروش کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر انہوں نے ملکی احکام اور ان کے حامی روسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اس کا مطالبہ کیا کہ معاملات کا فیصلہ شریعت

مطہرہ کے مطابق ہو' نہ کہ قوم کی قدیم جاہلی عادات کے۔ اس تحریک کے قائد غازی محمد تھے' جن کو روسی قاضی ملا کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ علوم عربیہ میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ ان جاہلی عادات کے ترک کرنے کے بارے میں ان کی ایک تصنیف "اقامۃ البرہان علی ارتداد عرفاء طاغستان (طاغستان کے چودھریوں اور برادری کے سرداروں کے ارتداد کا ثبوت ہے)

1832ء میں غازی محمد شہید ہوئے ان کے جانشین حمزہ بے ہوئے۔ ان کے بعد شیخ شامل نے مجاہدین کی قیادت سنبھالی جو بقول امیر شکیب' امیر عبدالقادر الجزائری" کے طرز پر تھے اور سیگیت سے امارت ہاتھ میں لی تھی"

شیخ شامل نے 25 برس تک روس سے مقابلہ جاری رکھا اور مختلف معرکوں میں ان پر زبردست فتح حاصل کی۔ روسی ان کی شوکت اور شجاعت سے مرعوب تھے۔ اور چند مقامات کو چھوڑ کر سارے ملک سے بے دخل ہو گئے تھے۔ 1843ء اور 1844ء میں شیخ نے ان کے سارے قلعے فتح کر لئے اور بڑا جنگی سامان مال غنیمت میں حاصل کیا۔ اس وقت حکومت روس نے اپنی پوری توجہ داغستان کی طرف مبذول کی۔ طاغستان میں جنگ کرنے کے لئے باقاعدہ دعوت دی' شعرائے نظمیں لکھیں اور پے در پے فوجیں روانہ کی گئیں۔ شیخ شامل نے اس کے باوجود بھی مزید دس برس تک جنگ جاری رکھی بالآخر 1859ء میں اس مجاہد عظیم نے ہتھیار ڈالے۔

تصوف و جہاد کی جامعیت کی درخشاں مثال سیدی احمد الشریف السنوسی کی ہے۔ اطالویوں نے برقہ و طرابلس کی فتح کے لئے پندرہ دن کا اندازہ لگایا تھا' تو آباریوں اور باریوں کی جنگ کا تجربہ رکھنے والے انگریز قائدین نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ یہ اطالویوں کی ناتجربہ کاری ہے۔ اس مہم میں ممکن ہے تین مہینے لگ جائیں۔ لیکن نہ پندرہ دن' نہ تین مہینے' اس جنگ میں پورے تیرہ برس لگ گئے اور اطالوی پھر بھی اس علاقہ کو مکمل طور پر سر نہ کر سکے۔ یہ سنوی درویشوں اور ان کے شیخ طریقت سیدی احمد شریف کی مجاہدانہ جدوجہد تھی جس نے اطالیہ کو پندرہ سال تک اس علاقے میں قدم جمانے نہیں دیئے۔

امیر شکیب نے لکھا ہے کہ سنوسیوں کے کارنامے نے ثابت کر دیا کہ طریقہ سنوسیہ ایک پوری حکومت کا نام ہے' بلکہ بہت سی حکومتیں بھی ان جنگی وسائل کی مالک نہیں ہیں' جو سنوسی رکھتے ہیں۔ خود سیدی احمد الشریف کے متعلق ان کے الفاظ ہیں۔

وقد لخطت منه مبرا قل ان يوجد في غيره من الرجال وعزما شديدا تلوح سيماوه علی وجهه فبينما هو في تقواه من الابدال اذا هو في شجاعته من الابطال

"مجھے سید سنوسی میں غیر معمولی صبر اور ثابت قدمی دکھائی دی جو کم لوگوں میں دیکھی گئی ہے' اولوالعزمی ان کے ناصیہ اقبال سے ہویدا ہے۔ ایک طرف اپنے تقوے و عبادت کے لحاظ سے اگر وہ اپنے زمانہ کے ابدال میں شمار ہونے کے قابل ہیں تو دوسری طرف شجاعت کے لحاظ سے دلیرانہ زمانہ کی صف میں شامل ہونے کے مستحق ہیں"

امیر شکیب نے صحراء اعظم افریقہ کی سنوسی خانقاہ کی جو تصویر کھینچی ہے' وہ بڑی دل آویز اور سبق آموز ہے۔ یہ خانقاہ واحتہ الکفرہ میں واقع تھی اور سیدی احمد الشریف کے چچا اور شیخ السید المہدی کے انتظام میں تھی۔ اور افریقہ کا سب سے بڑا روحانی مرکز اور جہاد کا دار التربیت تھی۔ امیر مرحوم لکھتے ہیں۔

سید مہدی صحابہ و تابعین کے نقش قدم پر تھے' وہ عبادت کے ساتھ بڑے عملی آدمی تھے' ان کو معلوم تھا کہ قرآنی احکام حکومت و اقتدار کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے وہ اپنے برادران طریقت اور مریدین کو ہمیشہ شہسواری' نشانہ بازی کی مشق کی تاکید کرتے رہتے۔ اور جہاد کی فضیلت اور اہمیت کا نقش ان کے دل پر قائم کرتے۔ ان کی یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور مختلف مواقع پر اس کے اچھے نتائج بر آمد ہوئے۔ خصوصاً" جنگ طرابلس میں سنوسیوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے پاس ایسی مادی قوت ہے جو بڑی بڑی حکومتوں کی طاقت سے ٹکر لے سکتی ہے اور بڑی باجبروت سلطنتوں کا مقابلہ کر سکتی ہے' صرف جنگ طرابلس ہی میں سنوسیوں کا جوش و غضب ظاہر نہیں ہوا بلکہ علاقہ کانم اور وادی سوڈان میں وہ 1319ء سے 1332ء تک فرانسیسیوں سے بر سر جنگ رہے ہیں۔

سید احمد شریف نے مجھے سنایا کہ ان کے چچا سید مہدی کے پاس پچاس پچاس ذاتی بندوقیں تھیں' جن کو وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے صاف کرتے اور پونچھتے تھے' اگرچہ ان کے سینکڑوں کی تعداد میں مریدین تھے' مگر وہ ان کے روادار نہ تھے کہ کام کوئی اور کرے تاکہ لوگ ان کی اقتداء کریں اور جہاد کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کے سامان و ذخائر کا اہتمام کریں' جمعہ کا دن جنگی

مشقوں کے لئے مخصوص تھا۔ گھوڑوں کی ریس ہوتی' نشانہ بازی کی مشق ہوتی وغیرہ وغیرہ۔

خود سید ایک بلند جگہ پر تشریف فرما ہوتے۔ شہسوار دو حصوں (پارٹیوں) میں تقسیم ہو جاتے اور دوڑ شروع ہوتی۔ یہ سلسلہ دن چھپے تک جاری رہتا۔ کبھی کبھی نشانہ مقرر ہوتا اور نشانہ بازی شروع ہوتی اس وقت علماء و مریدین کا نمبر شہسواری و نشانہ بازی میں بڑھا ہی ہوا ہوتا' کیونکہ ان کے شیخ کی ان کے لئے خاص تاکید تھی۔ جو لوگ گھوڑ دوڑ میں پالا جیت لیتے یا نشانہ بازی میں بازی لے جاتے' ان کو قیمتی انعامات ملتے' تاکہ جنگی کمالات کا انھیں شوق ہو۔

جمعرات کا دن دستکاری اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے لئے مقرر تھا' اس دن اسباق بند ہو جاتے۔ مختلف پیشوں اور صنعتوں میں لوگ مشغول ہوتے' کہیں تعمیر کا کام ہو رہا ہوتا' کہیں نجاری' کہیں لوہاری' کہیں پارچہ بانی' کہیں وراقی کا مشغلہ نظر آتا۔ اس دن جو شخص نظر آتا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتا دکھائی دیتا۔ خود سید مہدی بھی پورے مشغول رہتے تاکہ لوگوں کو عمل کا شوق ہو۔

سید مہدی اور ان سے پہلے ان کے والد ماجد کو زراعت اور درخت لگانے کا بڑا اہتمام تھا۔ اس کا ثبوت ان کی خانقاہیں اور ان کے خانہ باغ ہیں' کوئی سنوسی خانقاہ ایسی نہیں ملے گی جس کے ساتھ ایک یا چند باغات نہ ہوں۔ وہ نئے نئے قسم کے درخت دور دراز مقامات سے اپنے شہروں میں منگواتے تھے۔ انہوں نے کفرہ اور جنبوب میں ایسی زراعتیں اور درخت روشناس کئے جن کو وہاں کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔

بعض طلباء سید محمد السنوسی (بانی سلسلہ سنوسیہ) سے کیمیا سکھانے کی درخواست کرتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ "کیمیا ہل کے نیچے ہے" اور کبھی فرماتے "کیمیا کیا ہے ہاتھ کی محنت اور پیشانی کا پسینہ ہے" وہ طلباء اور مریدین کو پیشوں اور صنعتوں کا شوق دلاتے اور ایسے جملے فرماتے جن سے ان کی ہمت افزائی ہوتی اور وہ اپنے پیشوں اور صنعتوں کو حقیر نہ سمجھتے اور نہ ان میں علماء کے مقابلے میں احساس کمتری پیدا ہوتا۔ چنانچہ فرماتے تھے "بس تم کو حسن نیت اور فرائض کی پابندی کافی ہے' دوسرے تم سے افضل نہیں" کبھی کبھی اپنے کو بھی پیشہ وروں میں شامل کر کے اور ان کے ساتھ کام میں شرکت کرتے ہوئے فرماتے

"کیا یہ کاغذوں والے (علماء) اور تسبیحوں والے (صوفیہ و ذاکرین) سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سبقت لے جائیں گے۔ نہیں خدا کی قسم! وہ ہم سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتے"

عالم اسلام پر سید جمال الدین افغانی مرحوم" کی شخصیت و دعوت نے جو اثر ڈالا ہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نئے دنیائے اسلام کے معماروں میں ہیں۔ سید جمال الدین افغانی" سرتاپا دعوت و عمل اور ایک شعلہ جوالا تھے' جس نے افغانستان سے لیکر ترکی تک تمام عالم اسلام میں حمیت اسلامی کی روح اور اتحاد اسلامی کا صور پھونکا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کے سوز دروں اور گرمی نفس میں اور ان کی بے چین طبیعت اور مسلسل جدوجہد میں ذکر قلبی اور باطنی بیداری کو بھی دخل ہے' جس کے بغیر اکثر آدمی مسلسل محنت اور مخالفتوں اور مایوس کن حالات کا ہمیشہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی حال ان کے شاگرد رشید اور دست راست شیخ محمد عبدہ کا ہے جو تصوف کے لذت آشنا اور اس کوچہ سے واقف تھے۔

معاصر دینی تحریکوں میں الاخوان المسلمون کی تحریک سب سے زیادہ طاقتور اور منظم تحریک ہے اور عالم عربی کے لئے تو وہ احیائے دین اور اسلام کی نشات ثانیہ کی واحد تحریک ہے۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زندگی سے پورا ربط ہے اور ممالک عربیہ کی عمومی زندگی پر اس نے بڑا گہرا اور محسوس اثر ڈالا ہے اس کے بانی شیخ حسن البنا مرحوم کی شخصیت بڑی موثر' دل آویز اور ہمہ گیر شخصیت تھی' وہ سرتاپا عمل اور مجسم جدوجہد تھے۔ نہ تھکنے والے' نہ مایوس ہونے والے' نہ پست ہونے والے سپاہی اور داعی تھے۔ ان کی ان خصوصیات میں ان کے روحانی نشوونما اور سلوک کو بڑا دخل ہے۔ وہ جیسا کہ انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح میں تصریح کی ہے۔ طریقہ حصافیہ شاذلیہ میں بیعت تھے اور باقاعدہ اس کے اذکار و اشغال کی ورزش کی تھی۔

ان کے خواص اور معتمدین نے بیان کیا کہ وہ زندگی کے آخری مصروف ترین دنوں میں بھی اپنے اوراد و معمولات کے پابند رہے۔ اخوان کی پانچویں موتمر 1357ہجری میں انہوں نے اخوان تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تعریف میں حسب ذیل جملے کہے تھے۔

دعوۃ سلفیه وطریقه سنیه وحقیقه صوفیه وهیه سیاسیه وجماعته ریاضیه رابطه علمیته ثقافیته وشرکته اقتصاریه وفکرۃ اجتماعیه

"ایک ایسی جماعت جس میں سلف کی دعوت اہل سنت کا طریقہ' تصوف کی حقیقت' سیاست' ورزش' علم و ثقافت اقتصادی تعاون اور اجتماعی فکر جمع ہیں۔"

ہندوستان میں تصوف و جہاد کا ایسا عجیب امتزاج و اجتماع ملتا ہے جس کی نظیر دور دور ملنی مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں سید احمد شہیدؒ کا تذکرہ تحصیل حاصل ہے کہ ان کی جامعیت مسلمات میں سے ہے اور حد تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ ان کے رفقاء کے جہاد اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے جوش جہاد، شوق شہادت، محبت دینی بغض فی اللہ کے واقعات قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

جب کبھی ان کے مفصل واقعات سامنے آئیں گے تو اندازہ ہو گا کہ یہ قرون اولیٰ کا ایک بچا ہوا ایمانی جھونکا تھا جو چودھویں صدی میں چلا تھا۔ اور جس نے دکھایا تھا کہ ایمان، توحید اور صحیح تعلق باللہ اور راہ نبوت کی تربیت و سلوک میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے اور بغیر صحیح روحانیت اور اصلاح کے پختہ جوش و جذبہ اور ایثار و قربانی اور جاں سپاری کی امید غلط ہے۔

سید صاحبؒ کے جانشینوں میں مولانا سید نصیرالدین اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی، سید صاحبؒ کے پرتو تھے۔ ان کے جانشینوں میں مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ صادق پوری بھی دونوں حیثیتوں کے جامع تھے۔ ایک طرف ان کے جہاد و ابتلاء اور امتحان کے واقعات امام احمد بن حنبل کی یاد کو تازہ کرتے ہیں اور وہ کبھی گھوڑے کی پیٹھ پر، کبھی انبالہ کے پھانسی گھر میں اور کبھی جزیرہ انڈمان میں محبوس نظر آتے ہیں۔ دوسرے وقت وہ سلسلہ مجددیہ و سلسلہ محمدیہ (سید صاحبؒ کے خصوصی سلسلہ) میں لوگوں کی تربیت و تعلیم میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کی مجاہدانہ جدوجہد اور قربانیاں اگر ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور اہل صادقپور کی جدوجہد اور قربانیاں دوسرے پلڑے پر تو شاید یہی پلڑا بھاری رہے۔

ان حضرات کے بعد بھی ہم کو اہل سلسلہ اور اصحاب ارشاد دینی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کے کام سے فارغ اور گوشہ نشین نظر نہیں آتے۔ شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت حافظ ضامن، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی (رحمتہ اللہ علیھم) انگریزوں کے خلاف صف آرا نظر آتے ہیں۔ حضرت حافظ ضامن وہیں شہید ہوتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کو ہندوستان سے ہجرت کر جانی پڑتی ہے، مولانا نانوتویؒ و مولانا گنگوہیؒ کو عرصہ تک گوشہ نشین اور مستور رہنا پڑتا ہے۔

پھر مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (جن کو ہندوستان کے مسلمانوں نے بجا طور پر شیخ الہند کے لقب سے یاد کیا) انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے ہیں اور ہندوستان کو ان کے وجود سے پاک کر کے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ اور ان کے ہاتھ میں ملک کی زمام کار ہو۔ انکی بلند ہمتی ان کو ترکی سے تعلقات قائم کرنے اور ہندوستان و افغانستان و ترکی کو ایک سلسلہ جہاد میں منسلک کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ریشمی خطوط' انور پاشا کی ملاقات' مالٹا کی اسارت' ان کی عالی ہمتی اور قوت عمل کا ثبوت ہے۔

من المومنين رجال صدقوا ما عاهدو الله عليه فمنهم من قضى لنحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا

ان مسلسل تاریخی شہادتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو گا کہ تعطل و بے عملی حالات کے مقابلے میں سپر اندازی اور پسپائی تصوف کے لوازم میں سے ہے۔ اگر اس دعوے کے ثبوت میں چند متصوفین اور اصحاب طریقت کی مثالیں ہیں تو اس کے خلاف بڑی تعداد میں ان ائمہ فن اور شیوخ طریقت کی مثالیں ہیں جو اپنے مقام اور رسوخ فی الطریقہ میں بھی اول الذکر اصحاب سے بڑے ہوئے ہیں۔

اگر تصوف اپنی صحیح روح اور سلوک راہ نبوت کے مطابق ہو اور یقین اور محبت پیدا ہونے کا باعث ہو (جو اس کے اہم ترین مقاصد و نتائج ہیں) تو اس سے قوت عمل' جذبہ جہاد' عالی ہمتی' جفاکشی' شوق شہادت پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب محبت الٰہی کا چشمہ دل سے ابلے گا تو روئیں روئیں سے یہ صدا بلند ہو گی۔

اے آنکہ زنی دم از محبت
از ہستی خویشتن پرہیز
بر خیز بہ تیغ تیز نیشش
یا از رہ راہ دوست برخیز

ہماری دعوت

(سید رحمت اللہ تو حیدی)

موجودہ دور کی تہذیبوں میں سائنس کی بے بہا تحقیق و ترقی کے سبب ایک کشمکش کا سماں ہے۔ یہ تہذیبی جنگ بظاہر یورپ نے جیت لی ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں یورپ کی تہذیب کا رنگ نہ ہو۔ اس تہذیبی غلبہ کے پس پشت یورپی ممالک کی مضبوط عسکری قوت اور گلوبل میڈیا کا بھرپور کردار ہے۔ جس نے پوری دنیا کی اقوام میں قلبی و ذہنی مرعوبیت کا رس گھول دیا ہے۔ مغربی عسکری قوت کے سامنے تو تاحال کوئی مسلم حکومت بھی سر نہیں اٹھا سکتی اور میڈیا کا کردار بھی بھیانک ہے۔ ایک مسلمان معصوم بچہ جو اپنے آپ سے بے خبر ہوتا ہے مگر ایک چھوٹے سے فن کے ذریعے ایک ٹیلی ویژن سکرین پر آنے والی نشریات دیکھنا جانتا ہے۔ معصومیت کی عمر سے اپنی جوانی تک سیر و تفریح کے بہانے زہر گھونٹا رہتا ہے۔ بالآخر تبدیلی کا وہ مقام آجاتا ہے جب اس فرد کا سلسلہ نسب اور نام مسلمانوں والا ہوتا ہے اور اس کی زبان بھی اسے مسلمان بتاتی ہے مگر قول و فعل اور ظاہر و باطن مکمل طور پر مغربیت اور اس تہذیب کی دعوت دیتے ہیں جس کا اثر اس کے خون کے ایک ایک ذرے میں ہوتا ہے۔ اس طرز پر مغرب مسلمان گری کر کے اسلام کو مسلم فراہم کر رہا ہے۔

ان سب حقائق کے باوجود ہم آج بھی بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان مغربی تہذیب سے متاثر ضرور ہوئے ہیں مگر اسلام آج بھی محفوظ ہے۔ اسلام کی فکری اور نظریاتی بنیادیں اس قدر پختہ ہیں کہ اللہ کے اس دین نے کفر کے غلبہ کے باوجود اس سے کوئی چیز مستعار نہیں لی ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام کا عملی پہلو مسلمانوں میں ایک نہ ایک دن ضرور اجاگر ہوگا اور قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوگی۔

مغربی تہذیب کے اعزازات کا تو بیان ہی کیا مغرب خود اس کا منعکس ہے۔ اس تہذیب کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ یہ تہذیب اس مغرب کی پیش کردہ ہے جو کبھی اپنی تہذیب کو یہودیت اور عیسائیت کی شکل میں پیش کرتا تھا بعد میں تغیر و تبدل سے مادیت کی صورت میں سامنے آکر عالم دنیا

میں صدا لگائی کہ "خدا برائے فروخت ہے" (God for sale) اور انسانیت کو کھاؤ' پیو اور عیش کرو (Eat, Drink and be merry) کا درس دیا۔ اس پر ہی اکتفا کیا ہو تا مگر نہیں۔ اس سے آگے جب انیسویں صدی کے اواخر میں سائنس کی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ترقی کو دیکھا تو اپنے خداؤں کو بیچ کر بھی قرار نہ آیا اور یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ یورپ کے بہت سے عظیم اور معتبر مفکر حضرات نے مغرب کی مادی تہذیب کو نئے رخ پر مرتب کیا اور اس سائنس کو مذہب کے رتبہ پر فائز کیا جس کے بارے میں ہر ایک کو معلوم ہے کہ آئے دن سائنس کے نئے نظریات جنم لیتے ہیں اور پرانے متروک ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی میدان میں نئی ایجاد کے آجانے پر اس میدان کی پرانی ایجاد کو رد کر دیا جاتا ہے۔ یہ سائنس کے ارتقا کا اصول ہے اور سائنس کے ارتقا کا یہ سفر ہر لحہ جاری ہے جس کے سبب سائنس کو لاکھوں فوائد کے باوجود تہذیب نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وہ مغرب کی تہذیب ہے جسے وہ پوری دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اور اسی رنگ میں آج مسلمان بھی اپنے آپ کو ڈھال کر فخر محسوس کر رہے ہیں۔

کفر کے ہاتھوں مسلمانوں کے مفتوح ہو جانے کے شاید ایسے ہی حالات تھے جن سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی اور اسلامی تصوف کی اس طرح سے وضاحت پیش کی۔

"تصوف اسلامی کو شروع ہوئے بارہ تیرہ سو برس گزر چکے ہیں۔ اس عرصے میں زمانے کے طور طریقوں اور رسموں میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور موجودہ زمانے میں تو یہ تبدیلیاں اس قدر شدت اور عجلت سے ہو رہی ہیں کہ ہماری قوم کے ان پڑھ یا معمولی پڑھے لکھے تو رہے ایک طرف' بڑے بڑے علماء کا ذہن بھی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اور وہ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان تبدیلیوں کا مسلمان نوجوانوں پر کیا اور کتنا اثر پڑ رہا ہے۔ طرح طرح کی ماڈرن ایجادوں اور انکشافات نے مسلمانوں خصوصاً" انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دماغ کو مسحور کر کے رکھ دیا ہے وہ قرآن اور احادیث کو نئے علوم کی روشنی میں پرکھنا اور جانچنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے اندھی تقلید اور ایمان بالغیب بے معنی بات ہے۔ وہ ہر بات پر کیوں؟ اور کیا؟ کا جواب چاہتے ہیں اور پوچھتے ہیں 'نماز سے

کیا فائدہ ہے؟ اگر یہ صحیح اوقات نہیں تو اور کیا ہے؟ روزے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ اگر بدن کو ٹھیک رکھنے کے لئے فاقہ اچھی چیز ہے تو بھی ایک ماہ برابر فاقہ کرتے رہنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ وہ کہتے ہیں تم جو ہر وقت خدا خدا کرتے رہتے ہو اس کا کیا نتیجہ؟ یہ خدا کیا چیز ہے؟ اس کی شکل کیسی ہے؟ وہ نظر کیوں نہیں آتا؟ مذہب اسلام اگر سچا ہے تو مسلمانوں پر دوسری قومیں کیوں فائق ہیں؟ اگر تمہارا مذہب دنیوی زندگی میں کامیابی کی راہیں نہیں دکھاتا تو اس سے چمٹے رہنے سے کیا حاصل؟

الغرض یہ اور ایسے کتنے ہی سوال ہیں جو ان انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے دماغ میں ابھرتے رہتے ہیں اور جب وہ ان کا تسلی بخش جواب نہیں پاتے تو بے دین ہو جاتے ہیں اور جو لوگ راسخ العقیدہ ہونے کی وجہ سے بے دین نہیں ہوتے کم از کم ان کا ایمان متزلزل ضرور ہو جاتا ہے اور وہ تلاش حق میں حیران و پریشان ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے پھرتے ہیں انہی لوگوں میں سے اکثر روحانیت کے متلاشی بھی ہوتے ہیں اور تصوف کے چشمہ سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں لیکن موجودہ زمانے کے اکثر و بیشتر صوفی اور پیر علوم حاضرہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان متلاشیان حق کی تسلی نہیں کر سکتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ ہدایت کے مستحق نہیں ہیں؟ کیا ان لوگوں کو یونہی بھٹک بھٹک کر کافر اور بے دین ہونے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ لکل قوم ھاد یعنی ہر جماعت کے لئے ہادی بھیجے اور پیدا کئے جاتے ہیں۔ تو کیا ہمارے مغربیت زدہ نوجوان اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں؟ کیا ان کے لئے خدا نے اپنی رحمت کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس جس طرح ہمارے علمائے عظام کا فرض ہے کہ جہاں تک دین و شریعت کا تعلق ہے ہر طرح سے ان کی تسلی کریں۔ ٹھیک اسی طرح ہمارے صوفیائے کرام کا بھی یہ فرض ہے کہ ان بھولے بھٹکے متلاشیان حق کو اللہ کا راستہ بتائیں۔ اسلامی تصوف سے ان کو آشنا کریں اور ان کے اخلاق کی اصلاح کریں اور نور معرفت الٰہی سے ان کے قلوب کو جگمگا دیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے علماء اور صوفیاء خود ماڈرن علوم میں کامل دستگاہ پیدا کر کے موجودہ زمانے کے مقتضیات اور موجودہ نسلوں کی ذہنیت سے بہ درجہ کمال واقف نہ ہو جائیں میں چونکہ خود اسی مغربیت زدہ طبقے سے ہوں اور میں

نے بھی ایک عرصہ دراز تک سرگرداں و پریشاں رہنے اور ہزاروں ٹھوکریں کھانے کے بعد حق کو پایا ہے اس لئے میں ان لوگوں کی ذہنیت' نظریات' انداز فکر اور طرز استدلال سے بخوبی واقف ہوں اور ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے ان کی تسلی کر سکتا ہوں۔ بنابریں میں نے محسوس کیا کہ ان گم کردہ راہ طالبوں کو راہ حق دکھانا میرا فرض ہے اگر میں نے ایسا نہ کیا تو قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دوں گا بس میں نے بھی پہلے بزرگان سلسلہ کی طرح ایک نئے سلسلہ کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام سلسلہ توحیدیہ رکھا ہے۔

اس کے بارے میں مزید فرماتے ہیں

"میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ کا نام ہی توحیدیہ رکھوں تاکہ سلسلے کے ہر مرید کو ہر وقت یہ یاد رہے کہ "میں بہ حیثیت ایک سچے مسلمان کے خالص توحید کا ماننے والا ہوں" مگر یاد رہے کہ توحید سے ہماری مراد وحدت الوجود ہرگز نہیں ہماری توحید تو سیدھی سادی وہ توحید ہے جو قرآن میں بتائی گئی ہے"

اس بے مثال روحانی سلسلہ کے قیام کے سبب آج ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم توحیدی ہیں۔ ہمیں اپنی اور افراد ملت کی اصلاح کے لئے تقسیم لٹریچر سے انکار نہیں' تبدیلی کے لئے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتوں سے انکار نہیں۔ بیداری ملت کے لئے بڑے بڑے پروگرامات اور اجتماعات سے انکار نہیں۔ ہم ان سب تنظیموں' تحریکوں اور جماعتوں کا تہہ دل سے احترام کرتے ہیں جو غلبہ اسلام کے نیک مقصد کے لئے کوشاں ہیں۔ اللہ انہیں مزید حوصلہ و ہمت عطا فرمائے مگر اس کے باوجود جب ہم ایک طرف بے معنی مغربی تہذیب اور امت مسلمہ پر اس کے گمبھیر اثرات دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے میں اسلامی تصوف ہی ہے جو مسلمانوں میں اقرار باللسان کے ساتھ ساتھ تصدیق بالقلب کی کیفیات پیدا کر کے ان کے دل و دماغ کو کفار کے ہاتھوں فتح ہونے سے بچا سکتا ہے' جو نہ صرف امت مسلمہ کو ان کی صالح تہذیب "اسلام" پر پوری استقامت سے قائم رکھ سکتا ہے بلکہ ہر لحظہ اور ہر لمحہ نیا جوش' نیا ولولہ اور جذبوں کو توانائی عطا کرتا ہے۔

دل کی مملکت

(امام غزالیؒ)

اے پیارے تو سمجھ لے کہ جب تک تو دل کی ہستی کو نہ جانے گا اس کی حقیقت کو نہیں پہچان سکے گا۔ پہلے تو دل کی ہستی کو جان پھر اس کی حقیقت کو پہچان۔ اس کے بعد دل کے لشکر معلوم کر اور پھر دل اور اس کے لشکر کے باہمی تعلق کو سمجھ۔ پھر اس کی صفت پہچان کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اسے کیسے حاصل ہو سکتی ہے اور وہ معرفت سے سعادت تک کس طرح پہنچتا ہے؟ انسان کی ہستی کا دارومدار اس کے ظاہری ڈھانچے پر نہیں اس واسطے کہ بدن تو مردہ کی مانند ہے اور دل سے ہمارا مقصد روح کی حقیقت ہے جب روح نہ ہو گی تو بدن مردہ ہو گا۔ اس بات کو سمجھ لے کہ بدن دل کی مملکت ہے اور اس مملکت میں دل کے مختلف لشکر ہیں۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو (المدثر) اس آیت سے یہی لشکر مراد ہیں۔ دل کو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور سعادت کی تلاش اس کا کام ہے اور اس کی سعادت اللہ تعالیٰ کی معرفت پر موقوف ہے اور صانع کی معرفت مصنوعات سے اس کو حاصل ہوتی ہے اور اس کا تعلق عالم حس سے ہے اور عجائبات عالم کی معرفت ظاہر و باطن کے حواس سے اسے حاصل ہوتی ہے اور جہاں تک حواس کا تعلق ہے انہیں بدن کے ساتھ ثبات ہے۔

معرفت دل کا شکار، حواس اس کے لئے پھندا اور بدن پھندے کو اٹھانے والی سواری ہے۔ اس واسطے دل یعنی روح کے لئے جسم کی ضرورت ہوئی اور جسم مٹی، پانی، گرمی اور ہوا سے مل کر بنا ہے اس واسطے اس کی طاقت کم ہے۔ باطن میں بھوک اور ظاہر میں آگ اور پانی جیسے دشمن درندوں کے سبب اس کے لئے خطرہ ہلاکت ہے۔ اس لئے اس کو کھانے پینے کی حاجت ہوئی اور دو لشکروں کی اسے ضرورت محسوس ہوئی ایک ظاہری لشکر جیسے ہاتھ، پاؤں، منہ، دانت اور معدہ اور دوسرا باطنی لشکر جیسے بھوک اور پیاس، ظاہری دشمن سے بچنے کے لئے دو لشکروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہاتھ پاؤں جیسے ہتھیار تو ظاہری لشکر ہیں جب کہ غصہ اور خواہش باطنی لشکر۔

کیونکہ بے دیکھے چیز مانگنا اور ان دیکھا دشمن ہانکنا ممکن نہ تھا اس لئے ظاہری اور باطنی حواس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا پانچ ظاہری حواس ہیں اور خیال، تفکر،

حفظ، توہم اور تذکر کی قوتیں جو دماغ سے متعلق ہیں پانچ باطنی حواس ہیں۔ ہر قوت کا ایک خاص کام ہے اور کسی قوت میں خلل پڑ جائے تو آدمی کے دین و دنیا کے کاموں میں خلل پڑ تا ہے۔ یہ تمام ظاہری اور باطنی لشکر دل کے اختیار میں ہیں اور دل یعنی روح سب کا بادشاہ ہے۔ زبان، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، قوت تفکر سب دل کے حکم سے کام کرتے ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے خوشی سے دل کا تابع بنایا ہے تاکہ بدن کی حفاظت کریں اور دل کو اپنا توشہ لے لے اور اپنا شکار پکڑ لے اور آخرت کی تجارت کو پورا کرے اور سعادت حاصل کرے۔ یہ تمام لشکر دل کی ایسی اطاعت کرتے ہیں جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔

دل کے لشکر کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اے پیارے تجھے اصل مطلب ایک مثال سے معلوم ہو جائے گا۔ بدن گویا ایک شہر ہے۔ ہاتھ پاؤں اس شہر کے ارباب پیشہ ہیں۔ خواہش اس کا عامل، غصہ کوتوال، دل بادشاہ اور عقل وزیر ہے۔ بادشاہ کو امور مملکت کے لئے ان سب کی ضرورت ہے لیکن خواہش جو عامل کا مقام رکھتی ہے جھوٹی بھی ہے اور زیادتی کرنے والی بھی۔ عقل جو وزیر کی مانند ہے ہمیشہ اس کے خلاف کہتی اور چلتی ہے اور ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ سلطنت میں جتنا مال ہے سب خراج کے بہانے ہتھیا لے۔ غصہ جو کوتوال کی مانند ہے نہ صرف شریر بلکہ تند خو اور تیز بھی ہے۔ مار ڈالنا اور زخمی کرنا اس کی عادت ہے اور یہی باتیں اسے بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ جس طرح بادشاہ سب باتوں میں وزیر سے مشورہ کرتا ہے اور جھوٹے طمع دار عامل کی گوشمالی کرتا رہتا ہے اور وزیر کی رائے کو اس کی رائے پر ترجیح دیتا ہے اور کوتوال کو اس پر متعین کرتا ہے تاکہ اس کو زیادتی سے باز رکھے اور ضرورۃً کوتوال کو بھی دباؤ میں رکھتا ہے تاکہ وہ بھی حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس طرح سلطنت کا نظام صحیح رہتا ہے۔

اسی طرح دل جو مانند بادشاہ ہے اگر وزیر یعنی عقل سے مشورہ کرے اور خواہش و غصہ کو رام کر کے عقل کو اپنے لئے تو محکوم بنائے لیکن اسے ان کا محکوم نہ بنائے تو بدن کا نظام سلطنت بھی درست رہے گا اور سعادت کی راہ پر چل کر بارگاہ الوہیت میں بے روک ٹوک پہنچ جائے گا اور اگر عقل، غصہ اور خواہش کی قیدی بن گئی تو ملک تباہ ہو جائے گا اور بادشاہ یعنی دل ہلاک ہو جائے گا۔

یہ سب کچھ جو بیان کیا گیا اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ خواہش اور غصہ کو اکل و

شرب اور بدن کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ گویا یہ بدن کے خدمت گار ہوئے اور کھانا پانی بدن کا چارہ اور خوراک ہے اور بدن کو حواس کا بوجھ اٹھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ بدن حواس کا خادم ہے اور حواس عقل کے لئے جاسوس ہیں تاکہ ان کے ذریعے وہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعتوں کو پہچانے گویا حواس عقل کے خادم ہوئے اور عقل دل کے لئے ہے تاکہ دل کے لئے شمع و چراغ کا کام دے اور اس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا جمال دل کو نظر آئے کہ یہی دل کی جنت ہے۔ تو عقل دل کی خادمہ ہوئی۔ اور دل کو جمال الٰہی کے نظارے اور دید کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جب دل اس نظارہ و دید میں مشغول ہو تو بندہ بارگاہ ربوبیت کا خادم ہوا اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون○

اور دل کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اسے سلطنت، لشکر اور سواری عطا فرمائی تاکہ عالم سفلی سے عالم بالا کی سیر کرے۔ اگر کوئی اس نعمت کا حق ادا کرے اور حق بندگی ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ بادشاہ کی طرح سلطنت کی مسند پر براجمان ہو اور بارگاہ ربوبیت کو اپنا مقصود و قبلہ بنائے اور آخرت کو اپنا حقیقی وطن تصور کرے اور دنیا کو محض عارضی منزل سمجھے۔ نیز بدن کو سواری، ہاتھ پاؤں کو خادم، عقل کو وزیر، خواہش کو مال کا نگہبان، غصہ کو کوتوال اور حواس کو جاسوس بنا کر ہر ایک کو مناسب کام پر لگائے تاکہ وہاں کی خبریں لائیں۔ حسب ضرورت عقل جو وزیر ہے اگر کسی وقت یہ دیکھے کہ لشکر میں سے کوئی مثلاً غصہ یا خواہش وغیرہ بادشاہ کی اطاعت سے پھر گیا ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے تو جہاد کی تدبیر کرے تاکہ وہ راہ راست پر آ جائے۔ حتی الوسع اسے مار ڈالنے سے گریز کرے کیونکہ نظام سلطنت کے لئے ہر ایک کا وجود اپنی اپنی جگہ ضروری ہے بلکہ حکمت عملی و مصلحت سے سب کو قابو میں رکھے تاکہ جو اخروی سفر درپیش ہے اس میں یار و مددگار ثابت ہوں نہ کہ دشمن بن کر چوری ڈکیتی پر اتر آئیں۔

اس طرح وہ سعید اور نیک بخت ہو گا اور حق نعمت ادا کرنے والا ہو گا اور اس خدمت کے عوض اسے کامیابی کا تاج نصیب ہو گا اور اگر اس کے خلاف ہوا تو باغیوں اور مجرموں میں سے ہو جائے گا اور نمک حرامی کا ارتکاب کر کے شقی و بدبخت ہو جائے گا اور بداعمالی کی سخت سزا پائے گا۔

(اقتباس از کتاب "کیمیائے سعادت" مرسلہ شیخ محمد اسلم)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالٰے کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالٰے نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بےبس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو، انگلش)	چراغِ راہ	حقیقت وحدت الوجود
مجلد 260 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ
- ادارہ اسلامیات 190 نئی انارکلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر S.T'9 بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

الله

صداقت

محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تاکہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔

☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ہو کی خصوصی تشریح۔

☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔

☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الووجود کو جنم دیا۔

☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔

☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق

☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ۔

☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔